قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَ ذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی

وہ فلاح پاگیا جس نے تزکیہ کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہوگیا۔

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے، نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے، نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے، نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

ماہنامہ
المرشد
لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

جلد ۸۱ رمضان ۱۴۱۷ھ بمطابق فروری ۱۹۹۷ء شمارہ نمبر ۷

مدیر:- تاج رحیم سرکولیشن مینجر:- رانا جاوید احمد

فہرست

		صفحہ
قوم کو جگانے والو! جاگو	اداریہ	۳
اسلام کا نظام	مولانا محمد اکرم اعوان	۵
چھ ستمبر کی یاد میں	مولانا محمد اکرم اعوان	۱۳
عصر حاضر میں علماء	خورشید احمد گیلانی	۲۰
برکاتِ نبوی ﷺ	مولانا محمد اکرم اعوان	۳۰
احسان	مولانا محمد اکرم اعوان	۳۵
عبرت یا فرعونیت	مولانا محمد اکرم اعوان	۴۱

پتہ:- ماہنامہ المرشد اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور۔ ۵۴۷۷۰

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق فون نمبر ۵۱۸۰۴۶۷

انتخاب جدید پریس، لاہور فون: 6314365

ماہنامہ المرشد

بانی : حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مُجدّدِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ

نشرواشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (اسلامیات) ایم اے (عربی)

ناظر اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ ۱۵ روپے

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی		
سری لنکا بھارت بنگلہ دیش	۴۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	۹۰ سعودی ریال	۷۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۴۵ امریکن ڈالر	۱۳۰۰ امریکن ڈالر
کینیڈا	۵۰ امریکن ڈالر	۱۳۵۰ امریکن

قوم کو جگانے والو! جاگو

اداکار مذہبی و سیاسی لیڈروں اور اداکار علماء نے قوم میں دین سے نفرت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس پر نہ جانے کیوں ہمارے علمائے حق اور صوفیائے کرام خاموش بیٹھے ہیں۔ اس ملک کے تیرہ چودہ کروڑ سیدھے سادھے مسلمان جب میدان عمل پر نظرڈالتے ہیں تو دین کے سٹیج پر گنتی کے چند اداکار علماء اور خود ساختہ پیروں کے سوا کوئی راہ نما نظر نہیں آتا جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا پاکستان علمائے حق کے معاملے میں بانجھ پن کا شکار ہے؟ لیکن دل یہ یقین کرنے کو تیار نہیں کہ پاکستان کے مسلمانوں پر اللہ کے عذاب میں اتنی شدت آگئی ہو کہ اسے نیک ہستیوں سے ہی محروم کر دیا گیا ہو۔ ابھی اتنا برا وقت ہم پر نہیں آیا۔ مگر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ہمارے علمائے حق اور صوفیائے کرام نے قوم کو اپنی راہ نمائی سے محروم کر کے مساجد کے حجروں اور خانقاہوں میں گوشہ نشینی کیوں اختیار کر رکھی ہے اور میدان عمل میں قوم کی راہ نمائی ایکٹروں لٹیروں اور بے دین چور اچکوں کے حوالے کر دی ہے۔

اب وقت ہے قوم کی اصلاح کا' قوم کی راہ نمائی کا' اگر علمائے حق اور صوفیائے کرام اپنے گوشہ نشینی کے حجروں اور خانقاہوں سے نکل کر میدان عمل میں نہیں آئیں گے تو کیا قوم کی اصلاح بے دین حاکم کریں گے؟ سیکولر بیوروکریٹس اور جرنیل کریں گے؟ یا اداکار علماء کریں گے؟ ان سب نے مل کر پہلے ہی قوم کو تباہی و بربادی کے دھانے لاکھڑا کر دیا ہے۔ کبھی روٹی کپڑا اور مکان کا لارہ دے کر' کبھی نفاذ اسلام کا سبز باغ دکھا کر' کبھی جمہوریت کا چہرہ حسین دکھا کر اور اب احتساب کا طلسماتی سوٹا دکھا کر الیکشن کا ڈرامہ رچایا جا رہا ہے۔ گندگی اور غلاظت کا یہ سیلاب پرکشش اصطلاحات میں لپٹا بڑھتا ہی چلا آ رہا ہے۔ اسے روکنے والا کوئی نہیں؟ اگر علماء حق یہ پوچھنے کی جرات کی اجازت دیں کہ کیا تباہی اور بربادی کے اس طوفان سے آپ کی گوشہ نشینی کی عبادات اور ذکر و اذکار محفوظ رہ جائیں گے؟ آپ تو نیکی کو پھیلانے اور بدی کو روکنے کے وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ پھر آپ خود کیوں مساجد اور خانقاہوں کی چار دیواری کے اندر قیام پذیر ہیں اور عوام سے آپ کا یک طرفہ رابطہ میناروں پر نصب لاؤڈ سپیکروں کے ذریعے سے ہے۔ خود کیوں باہر نکل کر میدان عمل میں نہیں آتے' نہ جانے آپ کس اللہ کا بھیجا ہوا قرآن پڑھتے ہیں' کس

سنت رسول کی پیروی میں مصروف ہیں اور کس خالق کے نام کا ذکر کرنے سے اپنا قلب روشن کرتے ہیں؟اگر آپ میدان عمل میں آنے سے خوفزدہ ہیں' بدی کو روکنے کی بجائے اس سے چھپنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ صرف اپنے صوم و صلوٰۃ کے سہارے زندگی گزارنے اور قوم کو اپنی راہ نمائی سے محروم رکھ کر قاتلوں اور ڈاکوؤں کے سپرد کر دینے میں رضائے الٰہی کی تمنا رکھتے ہیں اسلامی تہذیب و تمدن کی دھجیاں بکھیرنے کو عیاش و بدقماش میدان عمل میں چوبیں گھنٹے بے لگام سرگرم رہتے ہیں پھر نہ جانے کون سے اسلام کے علماء حق میں ان اوصاف پر ثواب ملتا ہو گا۔ یہ تحریر یقیناً اداکار علماء اور پیروں کے لئے نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دنیوی مفاد کا راستہ متعین کر رکھا ہے یہ قوم نہ ان سے راہ نمائی چاہتی ہے نہ ان پر اعتماد کرتی ہے۔ لیکن جو علماء دین کو اور دین کی روح کو سمجھنے کا علم' عقل' اور قلب رکھتے ہیں وہ کیوں زبان کے چٹخارے کی خاطر ماضی کے قصے بیان کرتے ہیں۔ مگر اس عظمت رفتہ کو اپنا اور اپنی قوم کا حال بنانے کے لئے میدان عمل میں نہیں آتے۔ وہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کے اسیر کیوں ہیں؟ وہ دین اور اسلام کے وقار کو بچانے کی بجائے "علماء کا وقار" بچانے کے لئے میدان سے فرار کا راستہ کیوں اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں میں آپ ہی وہ طبقہ ہیں جو عوام کی راہ نمائی کا اہل ہے۔ عوام آپ کی راہ نمائی کے لئے تڑپ رہی ہے۔ آپ پر اعتماد کرنے کو بے چین ہے۔ عوام کو حق کی تلاش ہے' سکون کی تلاش ہے' سلامتی کی تلاش ہے' تحفظ کی تلاش ہے' عزت نفس کی تلاش ہے۔ اپنے عظمت رفتہ کو حال میں دیکھنے کی تلاش ہے۔ آپ کی قیادت کی تلاش ہے۔ آپ ہی اس کے امین ہیں آپ کے دامن ان خزانوں سے اٹے پڑے ہیں آپ میں اتنی طاقت پوشیدہ ہے اتنی قوت خوابیدہ ہے کہ آج کے بڑے بڑے سپر پاورز آپ سے خوف زدہ ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ ان خزانوں کو عوام الناس میں تقسیم کر دو' لٹا دو' اس فیض سے ہر مسلمان کو سیراب کر دو' قوت رہنمائی کا اتنا بڑا خزانہ اپنی جھولی میں سمیٹ کر آپ کیوں سوئے پڑے ہیں۔ آپ نے تو اس بکھری قوم کو یکجا کرنا ہے۔ اس سوئی ہوئی قوم کو جگانا ہے۔ اس قوم کی قیادت کی باگ دوڑ سنبھالنا ہے عوام آپ کی قیادت' آپ کی راہ نمائی کی منتظر ہے' اے علمائے حق' اے صوفیائے کرام' اے قوم کو جگانے والو' جاگو۔ اب وقت قیادت آگیا ہے۔ آگے بڑھو۔ میدان آپ کا منتظر ہے۔۔۔۔۔

تاج رحیم

اسلام کا نظام

سلسلہ عالیہ کے اس ادارے کی اور ہم سب کی ساری بنیادی اور آخری محنت صرف اسلام کے لئے ہے۔ اس میں کسی فرد یا کسی جماعت کی مخالفت مقصود ہے نہ کسی فرد یا کسی جماعت سے تعاون مقصود ہے۔ ملک کی کسی سیاسی جماعت کی فتح و شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ اسمبلیاں ٹوٹیں یا رہیں یہ ہمارا درد سر نہیں۔ حکومت وقت رہے یا چلی جائے ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں' کس پارٹی کی حکومت جائے کس پارٹی کی حکومت آئے اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔

ہماری ساری محنت اس لئے ہے۔ کہ یہ ملک اللہ کے دین کے نام پر حاصل کیا گیا اور اس پر دین کے مطابق حکومت قائم ہونی چاہئے۔ اس میں مسلمانوں سے اسلام کے مطابق سلوک کیا جانا چاہئے خواہ وہ کسی کو سزائے موت ہی دے دے لیکن شریعت اسلامیہ کے مطابق دے۔ کسی کو اقتدار دے۔ اختیار دے' ظالم کا ہاتھ روکے۔ مظلوم کی دلجوئی شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو اور یہ بات کرنے میں ہمیں کسی سے کوئی ڈر نہیں کوئی باک نہیں یہ بات کوئی زیر زمین نہیں ہے۔ کسی کے خلاف کوئی سازش نہیں ہے اور اگر کسی کو یہ بات ناپسند ہے تو ہوا کرے اسلئے کہ یہ بات کسی ذاتی منافع کے لئے نہیں ہے۔ دنیاوی اقتدار کی نہیں ہے یہ اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بات ہے۔ ایمان کی' عقیدے کی' آخرت کی اور قبر کی بات ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سب مسلمانوں کو برابر کی فکر ہونی چاہئے خواہ وہ اقتدار میں ہیں یا حزب اختلاف میں۔ ان کی جماعت کا نام اسلامی ہے یا ان کی جماعت کا نام کمیونسٹ ہے' کوئی بھی ہو ہر مسلمان کو یہ بات سمجھانا' یہ باور کرانا یہ ہمارے مشن کا حصہ ہے کوئی صدر ہے یا وزیراعظم یا چوکیدار یا کوئی کاشت کار ہے یا مزدور۔ اسے یہ احساس دلانا کہ بحیثیت مسلمان اس کے فرائض کیا ہیں اور اسلام کے لئے اسے کیسے سوچنا چاہئے اور کیسا عمل کرنا چاہئے یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ ہر ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے لیکن جو یہ ذمہ داری بھول چکے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت بدکاروں میں نہیں بلکہ باعمل مسلمان میں ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے شاید میں ہی ایسا سوچتا ہوں ممکن ہے میں ہی غلط سوچ رہا ہوں لیکن میری سوچ کے مطابق ہمارا وہ مسلمان جو دین پر عمل کرتا ہے' جو نماز روزہ کرتا ہے' جو تہجد ادا کرتا ہے' جو تسبیحات پڑھتا ہے' جو تبلیغ کرتا ہے' جو چلے لگاتا ہے جو ذکر کرتا ہے یہ سارے ثواب مائل ہوگئے ہیں یعنی ثواب Oriented' یہ سارے کام کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ اب ان سب کا اتنا ثواب ہو گیا ہے کہ اب دنیا میں کچھ بھی ہوتا رہے ہمیں اس کی فکر نہیں۔ چلہ لگایا اتنا ثواب ہو

گیا' تسبیحات پڑھیں اتنا ثواب ہو گیا' تہجد پڑھے اتنا ثواب ہو گیا' پیدل چلے اتنا ثواب ہو گیا۔ ذکر کیا اتنا ثواب ہو گیا' تلاوت کی اتنا ثواب ہو گیا۔ بس کام ہوگیا۔

اسلام ثواب کے حصول کا مذہب نہیں ہے' ہمیں ثواب نہیں چاہئے' ہمیں اللہ کی رضامندی چاہئے اور اللہ کی رضامندی عمل میں ہے' اس عمل میں جو اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے کیا جائے' یہ نماز روزہ' یہ ذکر اذکار' یہ تبلیغ' یہ تلاوت' یہ معنی' یہ تفسیر' یہ حدیث۔ یہ سب بندے کو اس کام کے لئے تیار کرنے کی محنت ہے کہ وہ زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم کرے۔ قرآن کے نزول کے بعد اگر مسلمان محض قرآن کی تلاوت کر کے اپنی زندگی الگ تھلگ بسر کرتے رہتے اور کافر معاشرے کے لئے درد سر نہ بنتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہجرت کرنی پڑتی نہ دندان مبارک شہید کرانا پڑتے' نہ بدر و احد میں اپنے دست و بازو اور اپنے جانثار شہید کرانا پڑتے اور نہ رخ انور پر چوٹیں کھانا پڑتیں۔ مشرکین مکہ یہ کہتے تھے کہ بھئی مکہ میں صرف تم لوگوں نے ہی کوئی نئی بات کسی مذہب کی نہیں کہی۔ تم سے پہلے یہاں کتنے مذاہب ہیں ہر ایک کا اپنا مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے' جس طرح وہ چاہے کرے' مگر اجتماعی اور معاشرتی معاملات میں ہمارے معاشرے کی جو تشکیل ہے وہ ہم سب نے مل کر بنائی ہے اس میں ہم سب مل جل کر رہتے ہیں' اس میں کسی مذہب کا کوئی سوال نہیں ہے ہمارے فیصلے' ہمارا لین دین' ہمارا کاروبار' ہماری سیاست' ہماری معیشت' ہماری معاشرت یہ ایک سوسائٹی بن گئی ہے اور اس کے مطابق چل رہی ہے اس میں یہودی بھی ہیں۔ عیسائی بھی ہیں' بت پرست بھی ہیں۔ بتوں کا انکار کرنے والے بھی ہیں۔ جنوں کو پوجنے والے اور آتش پرست بھی ہیں۔ چاند سورج کو پوجنے والے بھی ہیں۔ ہر طرح کے لوگ ہیں اگر تم یہ سب نہیں کرنا چاہتے تم نے کوئی الگ ایک اللہ مان لیا ہے تو مانو اور جس طرح چاہتے ہو اس کی پوجا کرو۔ لیکن ہمارا جو معاشرتی ڈھانچہ ہے اسے ڈسٹرب اور پریشان نہ کرو۔ جھگڑا صرف یہ تھا۔

جتنے غیر اسلامی معاشرے ہیں ان کی بنیاد اس بات پر ہے کہ لوگوں کو مجبور کر کے ان پر حکومت کی جائے۔ لوگوں کو بے بس کر دیا جائے۔ فرعون سے لے کر موجودہ جمہوری نظام تک سب میں یہی قدر مشترک ہے۔ سوشلزم کو ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ جبر کی حکومت ہے ہاں جسے آپ جمہوریت کہتے ہیں اس کا چمپین امریکہ ہے میں پچھلے دنوں ایک کتاب وہاں سے لایا (They dare to speak out) یعنی انہوں نے بولنے کا حوصلہ پیدا کر لیا۔ جس آدمی نے یہ کتاب لکھی وہ اکیس سال سینٹ کا ممبر رہا اب بوڑھا ہو کر چھوڑ دیا۔ اب اس کا بیٹا ہے یہ کون سی جمہوریت ہے کہ جو طبقہ اوپر آگیا اس نے دوسرے کو اتنا بے بس کر دیا کہ وہ مجبور ہے کہ ہمیشہ اسی کو اوپر لائے' اس لئے کہ ان کی بیماری کا علاج ہو تو اس کے ذریعہ ہوتا ہے' بچے کی ملازمت ہو تو اس کے ذریعہ ہوتی ہے' بیوی کو ہسپتال جانا ہو تو اس کے ذریعہ جاتی ہے' کوئی تعلیم کا مسئلہ ہو' بچے سکول داخل کرانے ہوں اس کی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی گھر کا' تجارت کا' کاروبار کا مسئلہ ہو تو اس میں اس کی ضرورت پڑتی ہے پھر جب الیکشن آتا ہے تو اسے ووٹ بھی دینا پڑتا ہے دو تین فیصد کی اکثریت جو وہاں برسر اقتدار ہے وہ ہمیشہ برسر اقتدار ہے یعنی مار مار کر بھی تھک گئے اب کینیڈی فیملی کو دیکھ لو کتنے بندے ان کے قتل ہوگئے اس کے بعد جو بچتا ہے وہ پھر ایوان سلطنت میں ہوتا ہے۔ اسی کا چربہ آپ کو یورپ میں ملے گا۔ کچھ خاندان کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ برسر اقتدار ہیں اور دنیا ان کی محتاج ہے۔ اس کی بگڑی ہوئی صورت آپ کو اپنے یہاں ایشیائی ممالک میں خواہ وہ ہندوستان ہو۔ پاکستان ہو۔ بنگلہ دیش ہو یا کوئی بھی ہو ان سب میں آپ کو یہی ملے گا کہ ایک طبقہ یا کچھ لوگ یا مخصوص

خاندان جو اوپر آگئے۔ انہوں نے ملک کے رہنے والے سارے لوگوں کو ایسا بے بس کر دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ان کی حکومت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اب جو بھی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ اسمبلی توڑ دو۔ اسمبلی بحال کر دو۔ اس میں میرا' آپ کا یا عام آدمی کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو اسمبلی تڑوانے کی کوشش کرتے ہیں ان کا خیال ہوتا ہے کہ شاید اس دفعہ ہمیں موقعہ مل جائے اور اگر نہ بھی ملا تو ہم تو پہلے ہی باہر بیٹھے ہیں پھر باہر بیٹھے رہیں گے کیا بگڑے گا۔ جو اسمبلی کو قائم رکھنے کے حق میں ہیں ان کا خیال ہے کہ ہمارے پاس سیٹ تو ہے اگر اسمبلی ٹوٹ گئی۔ شاید دوبارہ ملے گی یا کوئی اور لے جائے گا اس میں کسی قوم کا درد یا کسی غریب کا خیال یا حق وانصاف کی بات کچھ بھی نہیں ہے۔ جھگڑا باری کا ہے اسی ایک خاص طبقے کی باری کا۔ ہاں ہماری قوم بڑی زود فراموش ہے۔

میں اگلے دن وائلڈ لائف دیکھ رہا تھا۔ ایک شکاری درندہ پرندوں پر جھپٹتا ہے تو کوئی پکڑائی نہیں دیتا۔ کمینٹیٹر کہہ رہا تھا کہ (They have got a very short memory) یعنی ان پرندوں کی یاد داشت بڑی کمزور ہے' یہ درندہ ابھی چھپ کر بیٹھ جائے گا۔ اور دس منٹ بعد یہ پرندے پھر یہیں آکر بیٹھیں گے۔ انہیں یاد ہی نہ ہوگا کہ یہاں ہم پر کسی درندے نے حملہ کیا تھا۔ دس منٹ بعد واقعی وہ پھر وہیں آکر بیٹھ گئے اور اس درندے نے ایک مار لیا۔ تو مظلوم کی بھی یاداشت بڑی کمزور ہو جاتی ہے مار کھا کھا کر۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج جتنا پراپیگنڈہ زر داری کے خلاف ہو رہا ہے اس سے زیادہ پراپیگنڈا شہباز شریف کے خلاف ہوتا تھا کہ یہ وہاں سے کمیشن کھا گیا۔ موٹر وے سے اتنے ارب لے لئے۔ گاڑیوں کی کسٹم ڈیوٹی معاف کرا کر اس میں سے اتنے کما گیا۔ یہ ظلم کر دیا' وہ ظلم کر دیا' اب وہ دو سال کے لئے منظر سے ہٹ گئے دوسری حکومت آگئی تو اب وہ سارا طوفان زرداری کے ذمہ ہے' جو ہٹ گئے تھے وہ کون سے پارسا لوگ ہیں۔ میاں صاحب کا اگلے دن میں نے بیان پڑھا۔ فرما رہے تھے کہ اب میں اگر اقتدار میں آگیا تو اسلام نافذ کرونگا میرے پاس میرا بیٹا بیٹھا تھا اخبار کی سرخی دیکھ کر کہنے لگا کہ ابو شاید میاں صاحب کو اب اقتدار میں آنے کی امید نہیں رہی یہ ایک بچے کے ریمارکس ہیں۔

بھئی اب اگر آپ اسلام نافذ کریں گے تو جب تھے تب اسلام کہاں تھا یہ ساری باتیں میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ ہمیں ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے ہماری ساری دلچسپی اس بات سے ہے کہ ہم اللہ سے' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے' اپنے دین سے وفا کر سکیں۔ صحت و بیماری' عزت و ذلت' امارت و غربت' آزادی و قید' زندگی و موت' اس کے فیصلے اللہ کے دست قدرت میں ہیں۔ موت سے بھاگنے والوں کو بھی موت آتی ہے موت کا سامنا کرنے والوں کو بھی موت ہی آتی ہے۔

اسلام فساد کا نام نہیں ہے کہ جلوس نکال کر لوگوں کی دکانیں جلائی جائیں۔ بسیں جلائی جائیں لوگوں کو مارا پیٹا جائے' حکمران گھروں میں آرام سے رہیں اور لوگوں کو تباہ اور تاراج کیا جائے یہ کیا ہو رہا ہے یہ اسلامی انقلاب آرہا ہے۔ یہ کوئی اسلام نہیں - میں اس کے حق میں نہیں ہوں۔ اسلام سلامتی کا مذہب ہے۔ اور نبی نوع انسان کے لئے سلامتی چاہتا ہے۔ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں اسلام سلامتی کا پیغام ہے نوع انسانی کو اللہ کی طرف سے' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے' ہماری بنیادی کوشش یہ ہے کہ وہ سلامتی ہمارا بھی حق ہے ہم تک بھی پہنچے اور ہر متنفس کا حق ہے اس تک پہنچے اور جو ملک اسی سلامتی کے نام پر حاصل کیا گیا ہے وہاں تو اس کا نفاذ ہو اب اس کے لئے ہم اوہام میں مبتلا رہیں یا ہم یہ سمجھیں کہ ہم نے بڑا ثواب کما لیا۔ ثواب کی ہمارے ہاں کوئی وضاحت نہیں

ہے اگر ہم ثواب کی حقیقت کو سمجھیں کہ ثواب ہوتا کیا ہے؟ قرآن کریم نے تو ثواب بدلے کو کہا ہے اور کافر کو جو بدلہ ملے گا اسے بھی ایک جگہ ثواب کہہ رہا ہے **ہل ثوب الکفار۔** کفر کو اب کیا بدلہ ملے گا۔ وہی جو ان کے کرتوت تھے تو لفظ ثواب وہاں بھی آیا ہے۔ مومن کو جو نیک عمل پہ بدلہ ملے گا اسے بھی ثواب کہا گیا ہے لیکن کیا وہ بدلہ آخرت میں جا کر ملے گا۔ نہیں وہ بدلہ نقد یہاں ملتا ہے۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ بدر میں شریک تھے۔ ان پر جنت واجب ہوگئی۔ اس کے بعد جو جی چاہے کریں یعنی جو ان کی مرضی میں آئے کر گزریں جنت انکا حق ہے' شارحین حدیث اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بدر میں شرکت کا انہیں جو ثواب ملا وہ یہ تھا کہ آئندہ وہ وہی کریں گے جو اللہ کو پسند ہوگا۔ یہ ثواب ہے یعنی مزاج بدل گیا' عملی زندگی تبدیل ہوگئی' توفیق عمل نصیب ہو گئی' ہر نیکی کا ثواب یہ ہے کہ پھر نیکی کرنے کی توفیق ہو جائے اور ہر گناہ کا عذاب یہ ہے کہ بندہ اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ یہ عذاب ہے اگر ہم ثواب کو اس انداز میں لیں تو جب تک اسلام حاکم نہ ہو نیکیاں نیم مردہ اور بے جان ہوا کرتی ہیں۔ حاکمیت اعلیٰ اگر اسلام کے پاس نہ ہو حاکمیت اگر شریعت اسلامیہ کی نہ ہو۔ شریعت محکوم ہو تو اللہ کا دین نہیں ہوتا' اللہ کا دین ہمیشہ حاکم ہو کر رہتا ہے۔ کوئی بندہ کتنا پارسا ہو اگر وہ اپنی مرضی کرنے لگے تو بے دین ہو جاتا ہے۔ کوئی معاشرہ کتنا نیک کہلاتا ہو جب ان کی اپنی مرضی آجائے اور جو جی چاہے کرنے لگے بے دین ہو جاتاہے دین دار تبھی رہتے ہیں جب تک وہ کریں جو اسلام کہتا ہے۔ حکم شریعت کا ہو' دین کا ہو اور ہر کوئی محکوم اور اس کے تابع ہو۔

بڑی سادہ سی بات ہے یہ سارے ذکر اذکار اور مجاہدے اس لئے ہیں۔ کہ آخرت پہ وہ یقین حاصل ہو جائے کہ بندہ زندگی سے محبت اور موت کے خوف سے ذرا اوپر ہو جائے نہ اسے زندگی سے وہ محبت رہے جو ایک عام آدمی کو ہوتی ہے نہ اس پر موت کا وہ خوف ہو جو عام آدمی کو ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے آشنا ہو کر کہ آج میں یہاں ہوں کل مجھے وہاں جانا ہے۔ اس کل کے لئے تیاری کرے' روزی کمائے تو یہ دیکھ کر کہ اس کا نتیجہ کل کیا ہو گا۔ آج تو مجھے پیسے ملیں گے' آج تو میں اچھا کھا لوں گا' آج تو میں اچھی گاڑی لے لوں گا لیکن کل قبر میں' فرداء حشر میں اس کا نتیجہ کیا ہوگا اگر یہ رقم حلال ہے الحمدللہ۔ اگر حرام ہے تو اس سے فاقہ بھلا' گاڑی سے پیدل بھلے' خوبصورت لباس سے پھٹا ہوا لباس بھلا۔ لیکن حرام کا نہیں چاہئے کہ وہ کل کو آگ کا لباس بنا ہوا ہوگا۔ یہ دین ہے' یہی ہماری سیاست بھی ہے کہ عملی زندگی میں ہم کام بھی آجائیں۔ ہم رہیں نہ رہیں زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم ہو اور پھر خصوصاً" اس خطہ زمین کا حق بنتا ہے۔ ہماری صرف مجبوری یہ ہے کہ ہمارا جو دیندار طبقہ ہے وہ مطمئن ہو گیا ہے نوافل کے ثواب پر' اپنے اعمال کے ثواب پر' اس سے آگے وہ کچھ کرنا نہیں چاہتا۔ اس نے سمجھ رکھا ہے کہ یہ اتنا کافی ہے حالانکہ یہ کافی نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کا دین نافذ نہیں کر سکتے تو ثواب کچھ نہیں ہے۔ وہ کیسی خوشبو ہے جو ہمارے ماحول کو معطر نہیں کر سکتی اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے پاس منوں خوشبو ہے جب کہ سارا ماحول متعفن ہے۔

یہ کام ضمنی طور پر نہیں ہوتا' اللہ کو پارٹ ٹائم جاب قبول نہیں ہے۔ اور نہ دین پارٹ ٹائم جاب ہے یہ میری بات پلے باندھ لیں اگر ہم ذاتی مصروفیات سے جو وقت بچے گا وہ دین کو دیں گے تو کبھی ہمیں دین کا اقتدار دیکھنا نصیب نہیں ہوگا اور دینی محنت سے کچھ وقت بچا کر ذاتیات کو دیں گے تو اللہ ہمیں دین کی سر بلندی دیکھنا

نصیب فرمائے گا یہ اصول ہے' نبی علیہ صلوۃ وسلام کا ارشاد عالی موجود ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح سے ہے کہ دو میں سے ایک طرف نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے یا دنیا کا یا دین کا۔ دنیا کو اولیت دی جائے تو دین میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے کہ جب دنیوی امور سے فارغ ہوں گے دین کا کام کریں گے اور دین کو اولیت دیں گے تو دنیوی نقصانات ہوں گے۔ دنیاوی امور میں کمی ہوگی جتنا پیسہ آنا چاہئے تھا اس سے کم آجائے گا جو عہدہ ملنا چاہئے تھا اس سے کم مل جائے گا جتنی دولت ہونی چاہئے تھی اتنی نہ ہو سکے گی لیکن دین نصیب ہوگا تو بات ہے Priority کی' اولیت کی۔

سب سے پہلے اپنے آپ کو یہ یقین دلایئے کہ ہماری اولیت یا ہمارے ہاں مقدم دین ہے اور پھر اس پہ محنت کیجئے اپنے حلقہ احباب میں' اپنے دوستوں میں' اہل علم میں اور اہل فن میں اور عام آدمی میں بھی' ہر بنی آدم میں جہاں تک آپ کی رسائی ہو سکے لوگوں کو یہ بات پہنچایئے۔ اسلام جھگڑے نہیں کرتا' اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا' کسی کا گھر نہیں جلاتا اسلام کا سارا جہاد دفاعی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کام میں رکاوٹ بنے گا تو یہ مجبوری ہوگی لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے ہاں ابھی تک اس طرح کی کوئی رکاوٹ ہے جب نہیں ہے تو کسی فساد کی' کسی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً" اگر ہم یہاں سے چکوال تک جلوس نکالیں تو کچھ لوگ بغیر سوچے سمجھے ساتھ ہو جائیں گے' کچھ تماشا دیکھنے کے لئے ساتھ ہو جائیں گے کہ دیکھو ان کو پولیس سے مار کہاں پڑتی ہے۔ تو وہ ایک ہجوم تو بن جائے گا۔ لیکن کوئی دینی انقلاب نہیں آئے گا اور پچاس برس گذر گئے جلوس نکلتے اور گاڑیوں کے جلتے اور توڑ پھوڑ ہوتے' کوئی انقلاب نہیں آیا۔ کوئی تبدیلی آتی بھی ہے تو اس خاص طبقے کے اندر۔ دو چار لوگ جو اندر ہیں وہ باہر آگئے جو باہر ہیں وہ اندر چلے گئے اس کے علاوہ کچھ نہیں بدلتا تو میری

گذارش اتنی ہے کہ سب سے پہلے اپنے امور میں دین کو مقدم کیجئے۔ کوئی دن زندگی کا ایسا نہیں ہونا چاہئے جس دن میں ہم نے دین کے لئے کوئی محنت نہ کی ہو اور نماز' روزے' ذکر اذکار' تلاوت اور تبلیغ کو دین کی محنت مت سمجھئے یہ اپنی ذات کے لئے ہے' دین کے لئے محنت اسے شمار کیجئے جو آپ نفاذ اسلام کے لئے کریں گے۔ قصور یہی ہے کہ ہم نے نماز روزہ اور ذکر اذکار کو دین کی محنت کا نام دے لیا ہے حالانکہ یہ محنت دین کے لئے نہیں ہے یہ اپنی ذات کے لئے ہے۔ ذاتی بخشش کے لئے ہے اپنے اعمال سدھارنے کے لئے ہے یا اللہ کی رضا پانے یا اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے ہے لیکن ہے اپنی ذات کے لئے۔ دین کے لئے محنت اسے شمار کریں جو آپ نفاذ اسلام کے لئے کریں۔ اور یہی وہ بنیادی محنت ہے جس کی توفیق تب نصیب ہوتی ہے جب اپنے دل میں اسلام آجائے جب تک اپنے دل میں اسلام کامل نہ ہو نفاذ اسلام کی بات بندہ سوچتا ہی نہیں۔ اور جب ہو جائے تو وہ بات کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ آپ صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کیجئے۔ تو انہیں سارا جہاں روکنے والا تھا وہ رک نہیں سکتے تھے۔ اس لئے کہ جو حوض بھرجاتا ہے اور اس میں ترسیل آرہی ہوتی ہے وہ بہتا ہے اور جو پہلے سے ادھورا ہو۔ اور پھر ترسیل بھی کم آرہی ہو تو وہ لبالب ہو کر کب بہے گا اسے آپ کہتے رہیں کہ بہنے لگو وہ کہے گا فرصت نہیں ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا پیندہ تو تر ہے۔

ہمارا اسلام اب اس بات پر رک گیا ہے کہ ہمارا اپنا پیندہ تر ہے یہ باہر پانی اچھالنے کی کیا ضرورت ہے اور اسی کو ہم نے دین کی محنت کا نام دے دیا' یہ روڑا اٹکا ہوا ہے ہمارے سامنے' ورنہ اس ملک پر جو لوگ حکمران ہیں اور اقتدار میں ہیں اور جو یہاں بے دین طبقہ ہے ڈیڑھ دو فیصد بھی نہیں۔ ہمارے ملک کے ٹیلی ویژن پر ننگے اشتہار آتے ہیں اور ہم مجبور ہیں دیکھنے پر' لیکن

اشتہار دینے والے کون ہیں، ایک بھنگی جو وزیر ہے یعنی اس ملک کا یہ حال ہے کہ ایک بھنگی کو وزارت مل گئی اور اس نے وہ اشتہار دے دیا، وہ تو ہے ہی ننگ انسانیت۔ اسلام کو بھی چھوڑیں کتنی تعداد ہوگی بھنگی سیاستدانوں کی، چودہ کروڑ میں کتنے ہیں تو یہ باقی دیندار جو ہیں کیا کر رہے ہیں یہ جو دیکھنے پر مجبور ہیں یہ نماز روزے کا ثواب حاصل کر کے خود کفیل ہوگئے اور کونے میں بیٹھے ہیں۔ اب اگر انہیں یہ احساس ہو کہ اس برائی کو روکنا اسلام ہے تو کتنے دن وہ اشتہار آتا رہے گا۔

ایک طبقہ جو انگریز نے جاگیریں دیکر اپنی خدمت کے لئے پیدا کیا اور قوم کو غلام رکھنے کی ذمہ داری اس پر لگائی، وہی طبقہ انہیں جاگیروں کے بل بوتے پر اس ملک پر حکمران ہے اور کوئی خصوصیت ان میں نہیں ہے، کوئی لیاقت ان میں نہیں ہے کوئی ان کا قد کاٹھ بڑا نہیں ہے، کوئی ان کے ذہن بڑے نہیں ہیں، کوئی ان کی سوچ اعلیٰ نہیں ہے، صرف ان کے پاس انگریز کی دی ہوئی جاگیریں ہیں۔ بس انہی جاگیروں کے بل بوتے پر لوگوں کو بے بس کر کے انگریز کے پنجے کے نیچے رکھا اور انگریز کے جانے کے بعد اب ہم چاکروں کے غلام ہوگئے۔ انگریز اوپر بیٹھا ریموٹ کنٹرول سے وہاں سے ہلا رہا ہے اور اس کے غلام یہاں کام کر رہے ہیں، ہم ان غلاموں کے ماتحت ہیں جس طرح وطن آزاد ہوا تھا کیا یہ جائز نہیں تھا کہ جن لوگوں کو غداری کے صلہ میں انگریز نے جاگیریں دی تھیں وہ جاگیریں بھی آزاد وطن کی ہوتیں ان سے واپس لی جاتیں۔ اگر پہلے دن ہی یہ کام ہو جاتا تو یہ طبقہ ختم ہوجاتا۔ اور جب تک یہ طبقہ قائم ہے یہ طبقاتی ظلم اور طبقاتی تقسیم رہے گی۔

اصولی بات ہے کہ ہمیں دین سیکھنا ہے تاکہ ہم دین کے لئے کام کر سکیں خود کو نہیں آتا ہوگا تو کام کیا کریں گے، اس لئے ہر ساتھی اپنے قریبی عالم سے دین سیکھتا رہا کرے۔ اہل علم سے استفادہ کرے آپ کے قریب، آپ کے ہر ضلع میں اہل علم موجود ہیں، سلسلہ عالیہ میں موجود ہیں۔ ان سے مسائل سیکھا کریں۔ دین کا کام کرنا بھی فرض عین ہے اور ہم اس کے مکلف ہیں اور یہی جہاد ہے۔ کہ زبان سے، عمل سے، تبلیغ سے لوگوں کو یہ بات سمجھائی جائے۔ کہ تمہاری سلامتی اس دنیا میں بھی اسلام ہی میں ہے، آخرت میں تو ہے ہی اسلام میں - اس دنیا میں عزت کی سلامتی، مال کی سلامتی، جان کی سلامتی، ساری سلامتی ہے ہی اسلام میں۔ ہمیں نہ کسی سیاسی جماعت کی ضرورت ہے، نہ کوئی سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت ہے، جماعت ایک ہی کافی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی جو اللہ نے بنائی، جو اللہ کی کتاب نے بنائی، جسے اللہ نے حزب اللہ کا نام دیا۔ بطور حزب اللہ اس ملک پر دین کے نفاذ کے لئے کام کرنا ہے اور یہ جذبہ جب پیدا ہو جاتا ہے تو دیکھئے افغانستان میں چند علماء نے مدرسوں سے پچاس طالب علم جمع کر کے طالبان کی تحریک شروع کی اور دو سال کے عرصہ میں دو تہائی ملک پر انہوں نے عملاً" اسلام نافذ کر دیا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ صدیوں سے کتنی حکومتیں گذر گئیں اور ہر افغان اسلحہ لے کر پھرتا تھا۔ اسلامی ریاست بنتے ہی کسی کے پاس کوئی اسلحہ نہیں۔ طالبان نے کہہ دیا تمہاری حفاظت تمہاری بندوق نہیں حکومت اسلامیہ کریگی، تمہاری بندوق کی ضرورت اب تمہیں نہیں ہے، سب غیر مسلح کردئے اور کوئی بدامنی نہیں جہاں دن کو ڈاکے پڑتے تھے وہاں رات کو باہر پڑے مال پر چادر ڈال دی اور گھر چلے گئے صبح آکر بیچنا شروع کر دیا۔ عملاً" انہوں نے اسلام نافذ کر دیا۔ اور پوری دنیا زور لگا رہی ہے، امریکہ پراپیگنڈہ کر رہا ہے، یورپ چیخ رہا ہے۔ بی بی سی چلا رہا ہے۔ سی این این پیٹ رہا ہے انڈیا شور مچا رہا ہے۔ پاکستان بھی ان کے خلاف سازشیں کرنے میں کسی سے کم نہیں ہے اور دوست بن کر انہیں کسی نہ کسی ٹریپ میں پھنسانے کی

کوشش کرتا رہتا ہے۔
پاکستان آج کل طالبان کے لئے وہ کیچوا بنا ہوا ہے جو کانٹے پر مچھلی شکار کرنے کے لئے لگاتے ہیں لیکن وہ یہ نوالا بھی نہیں کھا رہے اللہ توکل چل رہے ہیں اور کہتے ہیں مٹ جائیں گے اگر نہیں چل سکیں گے لیکن جو لمحات اللہ نے دئے ہیں ان میں اسلام نافذ کرنا ہمارا فرض ہے۔ مٹنا تو سب کو ہے اگر دین چھوڑ کر کسی کو بقا ملتی ہے تو لعنت ہے اس بقا پر۔ دین کو چھوڑنا مٹ جانے سے بدتر ہے لیکن کچھ لوگ اس وطن عزیز کے ہیں جو وہاں نفاذ اسلام کے کام میں شریک ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ طالبان کی اکثریت یہاں ہمارے مدارس سے اور ہمارے علماء سے دین سیکھ کر گئی۔ اگر آپ کے طلبا اتنی جرات رکھتے ہیں تو آپ خود یہ کام کیوں نہیں کرتے۔ آپ سے پڑھنے والوں میں یا آپ سے سیکھنے والوں میں اتنی جرات ہے تو سکھانے والوں میں کیوں نہیں؟ بس یہ ایک نقطہ ہے جو میں عرض کرنا چاہتا تھا کہ میری نظر میں ذکراذکار' چلے لگانا' تسبیحات' یہ دین کی محنت نہیں ہے بلکہ نفاذ اسلام کے لئے محنت دین کی محنت ہے اور باقی ساری عبادات ہماری اپنی ذات پر محنت ہے کہ اپنی ذات کو ہم صحیح کر سکیں اس کی اصلاح کر سکیں اسے سیدھا کر سکیں یہ بھی مبارک کام ہے لیکن اس مبارک کام کا انحصار ہے نفاذ اسلام پر۔ اگر ریاست اسلامی بن جائے گی تو ہر متنفس کو اسلام پر عمل اور اسلام کی برکات نصیب ہوں گی۔ اور اگر ریاست اسلامی نہیں بن سکے گی تو ہمارا اپنا اسلام بھی شرمندہ شرمندہ اور کمزور کمزور ہی ہوگا۔
تو میری گذارش ہے کہ اپنی تنظیم کو مضبوط کیجئے' نبی علیہ صلوۃ وسلام کا ارشاد ہے کہ مسلمان تنظیم سے' ضبط سے' رابطے سے رہیں۔ مشورے سے کام کریں۔ ہر آدمی کی حیثیت کے مطابق اس سے کام لیا جائے ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اس کام میں حصہ لے کیونکہ **انتم الفقراء** تم سب فقیر ہو صرف اللہ غنی ہے سب محتاج ہو بڑا صرف اللہ ہے۔ بندے سب چھوٹے ہیں' استعداد مختلف ہے' جس کو جو استعداد اللہ نے دی ہے اس کے مطابق وہ دین کی خدمت کے لئے میدان میں آئے سلامتی کے لئے' بقا کے لئے' انصاف کے لئے کام کیجئے اور اس کے لئے وقت نکالئے جب آپ یہ کام کرنے لگیں گے تو خود بخود میدان آپ کے سامنے آجائے گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے دین کے ساتھ عقیدت یا لگن یا جسے انگریزی میں (Devotion) کہتے ہیں وہ کمزور ہے جب تھوڑا سا کوئی دباؤ آتا ہے تو ہم سمجھوتا کر لیتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ دین کے معاملے میں سمجھوتا نہیں ہے اور خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جو نفاذ اسلام کا عمل انجام دیں گے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ پبلسٹی ہو یا لوگ جانیں یا ٹی وی پہ بات آئے یا اخباروں میں آئے اس کی ضرورت نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ کام ہو جائے۔ اور اللہ کریم کے نزدیک اس کی توفیق ہمیں نصیب ہو جائے اس کے لئے اپنی تنظیموں میں جان پیدا کیجئے' محنت کیجئے' اس کے لئے ارکان سازی کیجئے' دوسرے لوگوں کو سمجھائیے دوستوں کو' عزیزوں کو' ملنے ملانے والوں کو' اپنی عملی زندگی میں اسلام کو اپنائیے۔ دوسروں سے زیادہ اسلام کو سیکھئے بھی اور اس پر عمل بھی کیجئے۔ یہ مت سمجھئے کہ ہم بڑے پارسا ہیں ہم نے نہ بھی کام کیا تو خیر ہے۔ پارسائی کا مدار اطاعت اور عمل پر ہے جب عمل چھوٹ گیا پارسائی چھوٹ گئی' پارسائی کچھ ایسی جنس نہیں ہے کہ ایک دفعہ خرید کے گھر رکھ لی اور پھر بے فکر ہوگئے یہ تو روز مرہ کے عقیدے کی گہرائی کی بات ہے اور ہر عمل سے عقیدے میں مزید گہرائی آنی چاہئے "زاد تھم ایمانا" ایمان میں زیادتی ہونی چاہئے لحظہ بہ لحظہ یہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ بے عملی اسے کمزور کرتی رہتی ہے اور عمل جس میں خلوص ہو ایمان کی زیادتی اور قوت کا سبب بنتا ہے

بس اتنی سی بات ہے میرے آج کے سارے بیان کا حاصل یہ ہے کہ ثواب واقعی اگر آپ چاہتے ہیں تو وہ نفاذ اسلام کا نام ہے۔ عملی طور پر اسلام نافذ ہو اس کا نام ہے ثواب۔ اب ایک آخری بات عرض کروں کہ صوفیوں کے اقوال بڑے مزیدار اور بڑے عجیب ہوتے ہیں انہوں نے فرمایا "طالب الدنیا کلب" دنیا کا طالب کتا ہے انسان نہیں "طالب العقبیٰ مونث" نجات کا طالب مونث ہے "طالب المولی مذکر" اللہ کا طالب مرد ہے۔ جب پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں تو فرمایا کہ جو آدمی جنت کے لئے اللہ کی عبادت کرے اس کا مقصد تو جنت میں پہنچنا ہے اگر اللہ کی عبادت کے علاوہ کوئی راستہ اور ہوتا تو وہ ادھر سے نکل جاتا۔ اللہ کی ذات تو ضمناً" درمیان میں آگئی' یہ صوفیوں کی سوچ ہے کہ مرد وہ ہے جو اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے اور اس کے لئے محنت کرتا ہے' اب اس کے صلے میں جنت ملتی ہے اللہ کی مرضی جنت دے نہ دے لیکن اللہ راضی رہے۔ یہی فلاسفی ثواب پہ آتی ہے کہ یہ ثواب زنانہ قسم کا ثواب ہے کہ نماز کی توفیق ہوگئی' روزے کی توفیق ہوگئی' تسبیحات پڑھ لیں اور گھر جا کر سوگئے۔ مردوں والی بات اس میں ہے کہ ساری محنت اپنی ذات پر کر کے اس ذات کو نفاذ اسلام کے کام میں لایا جائے۔

فوجی ساری عمر پریڈ کرتا ہے بندوقیں صاف کرتا ہے گولیاں چلانا' ٹینک چلانا سیکھتا ہے' جہاز اڑانا سیکھتا ہے' بم گرانا سیکھتا ہے لیکن کیا ساری عمر کی پریڈ ہی اس کی منزل ہے نہیں اس کی منزل تو میدان جنگ ہے یہ سارا کچھ اس میدان جنگ کی تیاری کے لئے کرتا رہتا ہے بھئی ہماری ذاتی عبادات فوجی کی پریڈ ہیں۔ میدان جنگ نفاذ اسلام ہے' میدان عمل دین کا نفاذ ہے کہ طاغوتی طاقتوں سے اقتدار چھین کر اللہ کے دین کے سپرد کیا جائے اور جسے جو رتبہ شریعت اسلامیہ دے وہ اس کا مستحق ہے۔

اللہ کرے کہ آپ ایک ایسی قوت بن جائیں جو اس ملک پر دین نافذ کر سکے اور اللہ کریم ہمیں اتنی مہلت دے کہ یہ انقلاب ہم دیکھ سکیں - امین۔

☆☆☆☆

روح سے فیض

اہل سنت والجماعت کا اجتماعی عقیدہ ہے کہ صاحب قبر سے فیض ہوتا ہے روح زندہ ہے اور اس کی موت صرف انقطاع عن البدن ہے۔ اسی کو فنائیت کہہ دیا جاتا ہے اس کی فنائیت تو "آنی" ہے مگر بقا دوامی روح کی بدن سے جدائی کو ہی موت کہہ دیا جاتا ہے ورنہ روح پر موت وارد نہیں ہوتی جیسے جنت دوزخ ان کے عذاب وثواب، لوح محفوظ، کرسی یہ سب چیزیں ہیں تو حادث ہی قدیم نہیں، مگر یہ فنا نہ ہوں گی یہی حال روح کا ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ روح سے حصول فیض کے لئے روح کے ساتھ ربط کا قائم ہونا ضروریات میں سے ہے اور مبتدی اگر سو سال بھی کسی قبر پر بیٹھا رہے جب کوئی زندہ شیخ اس کو یہ ربط پیدا نہ کرائے، خود بخود حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہمارے اور اُن کے درمیان ہزاروں حجابات حائل ہیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ محض چند فٹ زیر زمین ہیں۔ بلکہ وہ ایک اور عالم میں ہیں۔ سو کوئی ایسی ہستی ضروری ہے جو اپنی توجہ سے حجابات پھاڑ کے رکھ دے اور وہاں تک پہنچا کر اُن سے ربط پیدا کرا دے۔ ان سے ایسا تعلق کا رشتہ قائم ہو جائے تو فیض شروع ہو جاتا ہے۔

چھ ستمبر کی یاد میں

حضرت مولانا اکرم اعوان

آج چھ ستمبر ہے اور حسن اتفاق یہ ہے کہ جمعۃ المبارک کا دن بھی ہے پورے ملک میں یوم دفاع پاکستان منایا جارہا ہے سارا دن ریڈیو ٹیلی ویژن گیت گائیں گے جلسے ہوں گے میلے ٹھیلے ہوں گے خوشیاں منائی جائیں گی لیکن شاید ان حقیقتوں کی طرف کوئی ہلکا سا اشارہ بھی نہیں کرے گا جن حقائق کو جاننا اور یاد رکھنا اور آئندہ کے لئے ان سے سبق حاصل کرنا ازحد ضروری ہوتا ہے وطن عزیز ارض پاکستان اس کا وجود کم از کم میری نظر میں ایک معجزہ ہے اور اس کی بقا اور اس کی سلامتی اور اس کا اس طرح سے چلتے رہنا یہ اس کے بننے سے بہت بڑا معجزہ ہے جو ہمارے سامنے موجود ہے حتی کے اس کے ایک حصے کو الگ کر کے کوئی غیر مسلم ریاست اپنے میں شامل نہ کر سکی الگ بھی ہوا تو ایک مسلمان ریاست ہی رہی جو کسی وقت جڑ بھی سکتی ہے جب الگ ہی ہو گیا تھا جب مشرق و مغرب میں جنگ ہی ہو گئی جب مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے دو قومیں کہلائیں لڑے ایس میں ایک دوسرے کا قتل عام کیا تو پھر چاہئے تھا کہ کسی دوسری ریاست کا حصہ وہ بن جاتے لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور ہو سکتا بھی نہیں کیا یہ سب معجزات نہیں ہیں ہمارے سامنے اگر ان خطوں کو اس طرح باقی رکھا جارہا ہے تو کیا یہ بے مقصد ہے۔ حفاظت الھیہ اگر اس سرزمین کو حاصل ہے تو کیا بغیر کسی نتیجے کے یہ سعی لاحاصل ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ معجزہ اس فعل کو کہا جاتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے فعل اللہ کا ہوتا ہے اور احقاق حق کے لئے اس کا ظہور ہوتا ہے حق کی بقا کے لئے حق کو ثابت کرنے کے لئے حق کو غالب کرنے کے لئے۔ میں اس ارض وطن کو اس لئے معجزہ کہتا ہوں کہ میرا اپنا ایمان یہ ہے اس مٹی کے ساتھ کہ یہ مٹی غلبہ اسلام کی بنیاد ہے اور یہ بنے گی۔ میرا اپنا ایمان یہ ہے کہ یہ احقاق حق کی دلیل کے طور پر دنیا کے سامنے آنے والا خطہ ہے اور انشاء اللہ احیائے اسلام کا بنیادی ستون یہی مٹی بنے گی میری رائے میں یا میری دانست میں یا میری فکر و سمجھ میں اس کی بقا کا سبب یہی ہے یہ چھ ستمبر کی یاد گار ۱۹۶۵ء کی پاکستان ہندوستان کی جنگ کی یاد گار اور پاکستان کی فتح کے طور پر منائی جاتی ہے دوبارہ ۱۹۷۱ء میں جنگ ہوئی پاکستان اور ہندوستان میں جو متنازعہ فیہ ہے یہ مت بھولئے کہ سپاہی نے جس طرح بے جگری سے جانیں لٹائیں تھیں بے جگری سے اکتھہو میں بھی لٹائیں یہ فتح و شکست تو شطرنج کا کھیل تھا یہ حکمرانوں کے کرشمے تھے یہ سیاست دانوں کی چالیں تھیں یہ عالمی سیاست کی چالیں تھیں ملکی سیاست دانوں کا کردار تھا جس نے پاکستان کا ایک بازو الگ کر دیا جس نے پاکستان کو پاکستان سے لڑا دیا جس نے مسلمان افواج کو ہندوؤں کا قیدی بنا دیا یہ ساری ایک عجیب اور گہری سازش تھی جس میں سپاہی کا کام صرف لڑنا تھا جان دینا تھا مرنا تھا قید کاٹنا تھا سازش کرنے والے کوئی اور تھے لیکن حیرت اس بات کی ہو گئی کہ اتنی سازشوں کے باوجود ملک نہ صرف قائم ہے بلکہ ملک سے کافر دنیا لرزتی ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی یعنی اس خطے سے دنیا کا کوئی ایسا غیر مسلم ملک نہیں جو اس خطے سے ان لوگوں سے ڈرتا نہ ہو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی آخر کیوں؟ امریکہ جو پوری دنیا کا ہیڈ کانسٹیبل بنا ہوا ہے وہ ڈرتا ہے روس ڈرتا ہے یورپ کے سارے ممالک ڈرتے ہیں ساری دلیری کے باوجود ہندوستان

ڈرتا ہے لرزتا رہتا ہے کانپتا رہتا ہے آخر کیوں؟ جبکہ ہمیں ملک کے اندر ملکی قیادت میں ملکی سیاست دانوں میں ملک کی لیڈر شپ میں ہمیں کوئی ایسا بندہ نظر نہیں آتا ہے جس سے ڈرنا چاہئے کہ خود ملک میں رہتے ہوئے ہمیں یوں نظر آتا ہے ایک چوروں کا گروہ ہے وہ خواہ اپوزیشن میں ہے خواہ حکومت میں ہے اور دونوں پارٹیاں اپوزیشن بھی حکومت بھی آج نہیں بڑے لمبے عرصے سے صرف ایک دوسرے کو چور ثابت کرنے پہ اپنی پوری طاقت صرف کرتی رہتی ہیں اگر قیادت چور ہے جو معزول ہوتا ہے جیل چلا جاتا ہے جو جیل سے باہر آتا ہے حکمران بن جاتا ہے عجیب قسم کا کھیل لگا ہوا ہے۔ یعنی آپ پورے ملک کی تاریخ پڑھ لیں آپ کو صرف وہی لوگ نظر آئیں گے کہ ایک کھیل بنا ہوا ہے ایک خاص طبقے کے درمیان جو سارا طبقہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے کہ جنہیں اگر سرکاری تحفظ نصیب نہ ہو تو جیل چلے جاتے ہیں پولیس کی گارڈ ان کی حفاظت نہ کریں تو قتل ہو جائیں لیکن اس سب کے باوجود مزے کی بات یہ ہے کہ ملک پھر بھی قائم ہے اور صرف قائم نہیں اس ملک سے دنیا کے ممالک ڈرتے ہیں۔

جو معزول ہوتا ہے جیل چلا جاتا ہے جو جیل سے باہر آتا ہے حکمران بن جاتا ہے عجیب قسم کا کھیل لگا ہوا ہے۔ یعنی آپ پورے ملک کی تاریخ پڑھ لیں آپ کو صرف وہی لوگ نظر آئیں گے کہ ایک کھیل بنا ہوا ہے ایک خاص طبقے کے درمیان جو سارا طبقہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے کہ

جس فتح کی یادگار آج منائی جارہی ہے میں اخباروں کو زیادہ پڑھتا نہیں فرصت بھی نہیں ہوتی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی چند سطریں سرخیاں دیکھ لیا کرتا ہوں تو کل کے اخبار میں وہ صفحہ جس پہ لوگوں کے انٹرویوز چھپتے ہیں اس میں الطاف گوہر صاحب کا انٹرویو تھا جو اس زمانے میں سیکرٹری اطلاعات تھے اور بہت قریب تھے جنرل محمد ایوب خان مرحوم کے تو اس ۱۹۶۵ء کی جنگ کے حوالے سے ایک سرخی تھی کہ ۶۵ء میں ٹینکوں کو تباہ کرنے کے لئے جو گولے خریدے گئے اور محاذ پر جو گولے پہنچائے گئے وہ گولے صرف پٹاخے تھے اس سے ہندوستانی ٹینکوں کا بگڑتا کچھ نہیں تھا یعنی حکومت نے ایسے گولے خریدے جو نقصان نہیں کرتے تھے اور دھماکہ کرتے تھے بارود کا شعلہ نکلتا تھا اور محض تماشہ تھا اور کل یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ ۶۵ء سے لے کر پچانوے چھیانوے تک ہم یہ سوچتے ہی رہے کہ آخر پاکستانی سپاہیوں کو ٹینکوں سے ٹینک ٹکرانے کی ضرورت کیا تھی یعنی دنیا میں پہلی دفعہ آپ کو یاد ہو یا نہ ہو مجھے اچھی طرح یاد ہے میں محاذ پر دیکھنے بھی گیا تھا اور میرے کچھ عزیز ان ٹینکوں میں ڈیوٹی پر بھی تھے حیرت یہ ہوتی تھی کہ ان کے گولے ان کے ٹینکوں پر اثر نہیں کرتے تھے بالآخر انہوں نے ٹینکوں سے ٹینک ٹکرا کر ان کے ٹینک ناکارہ کئے جانیں دیں مارے گئے اپنے ٹینک تباہ کئے لیکن انہیں آگے بڑھنے نہیں دیا۔ کل کے اخبار میں یہ عقدہ کھلا کہ گولے ان پر اثر کیوں نہیں کرتے تھے گولے میں صرف بارود اور دھماکہ ہوتا تھا اس میں نقصان پہنچانے کے لئے آگے گولی ہوتی ہی نہیں۔ اس ملک کا مقدر دیکھو اب ہر گاڑی کے پیچھے لکھا ہے تیری یاد آئی تیرے جانے کے بعد اور جب یہاں تھے تو کیا کیا کرشمے کرتے رہے کیا کیا یہ قومی ہیرو ہیں ہمارے اور فتح کی یادگاریں ہیں اس ایک بات کا اندازہ کر لو کہ اس قوم کے ساتھ کیا کیا شیطانی کھیل کھیلے گئے اور کیا کیا کھیلے جارہے ہیں اب بھی جشن منانے پر بھی اس قوم کے اربوں روپے اڑا دئے جائیں گے اور وہ بھی نقصان اس کا ہوگا ہسپتال میں دوائی نہیں ہوگی غریب کا چولہا نہیں جلے گا جس کا مکان گر گیا ہے اس کے لئے

سر چھپانے کی جگہ نہیں ہوگی بیمار کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا بھوکے کو کھانے کے لئے کچھ نہیں ملے گا لیکن چراغاں ہوگا پورے ملک میں پورے ملک میں اربوں روپے سیلاب کی طرح بہائے جائیں گے کنجر ڈوم مراثی جو آج کل سٹار کہلاتے ہیں قوم کے مقدر کے ستارے بنے ہوئے ہیں اور کروڑوں روپے کمائیں گے شرابیں پی جائیں گی ناچ گانے ہوں گے ڈانس ہوں گے رات دن پوری قوم کے سربراہ اور قوم کے لیڈران کرام موج میلا کریں گے اور قوم اربوں روپے سے محروم ہو کے پھر بیٹھ جائے گی اور اس کے ساتھ ہوتا کیا رہا جب پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم کا خط کھینچ دیا گیا تو پھر مسئلہ کھڑا ہو گیا کہ جو خط کھینچا گیا اگرچہ اس میں بڑی ناانصافی کی گئی تھی اور بہت سے مسلمان علاقے ہندوستان کی طرف چھوڑ دیئے گئے تھے اور پاکستان کو بہت چھوٹا حصہ دیا گیا تھا یعنی دس کروڑ آبادی اس طرف تھی اور دس کروڑ آبادی ہندوستان میں رہ گئی اس کا مطلب ہے کہ جتنا ملنا چاہئے تھا آبادی کے تناسب سے اس کا نصف دیا گیا مغربی پاکستان جتنا پاکستان کا رقبہ دیا گیا اس سے دگنا ہونا چاہئے تھا اور اس پر لے دے بھی ہوئی تھی مسلم لیگ کے لیڈروں نے کہا بھی تھا کہ ہم اس طرح سے قبول نہیں کریں گے اور مجھے یاد ہے کہ قائد اعظم نے یہ اعلان کیا تھا کہ اگر ایک ضلع بھی پاکستان کے نام پر دیا گیا تو میں وہ بھی قبول کر لوں گا یعنی پاکستان بننا چاہئے خواہ وہ جتنی زیادتی بھی کریں ظلم بھی کریں لیکن یہ مت کہو کہ پاکستان قبول ہی نہیں کریں گے پاکستان بنے ضرور بہرحال اس کے باوجود پھر ہندوؤں کے پیٹ میں مروڑ اٹھے اس لئے کہ ان کے پاس کشمیر کی طرف جانے کا راستہ نہیں بچتا تھا گورداس پور کا ضلع وہ باونڈری کے اس طرف تھا ضلع گورداس پور اس طرف آجائے تو ہندوؤں کا راستہ جو جموں کو جاتا تھا وہ اس میں آجاتا تھا اور ان کا کشمیر سے رابطہ کٹ جاتا تھا چنانچہ پھر شور اٹھا جی پھر ایک کمیشن بناؤ ماؤنٹ بیٹن جو وائسرائے تھے آخری ہندوستان کے انہوں نے غالباً" وہ ریڈ کلف کمیشن کہلاتا تھا اس میں جو پاکستانی نمائندہ تھا سنا کہ اس زمانے میں اس نے کروڑوں لے کر گورداس پور کا ضلع دوبارہ ادھر کٹوا کر اور ایک کٹاؤ بنا کر اور انہیں سری نگر تک ACCESS دے کر ہندوستان سے سمجھوتہ کر لیا۔ یعنی ابھی یہ ملک بنا نہیں تھا تو اسے اس کے ٹکڑے بیچ کر پیسے کمائے گئے اور پھر وہ بندہ بعد میں اس ملک کا سربراہ بھی رہا کیا عجیب لطیفے ہیں۔ یعنی مزے کی بات یہ ہے کہ جس بندے کو اس ملک سے صرف اتنی دلچسپی تھی کہ جس نے پیسے لے کر اس کی شاہ رگ کشمیر کی شہ رگ ہندوستان کے حوالے کر دی اور تب سے اب تک وہ اکیلا راستہ ہندوستان کے پاس ۶۵ء کی جنگ میں بھی اگر اکھنور پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جاتا تو وہ راستہ بند ہو جاتا تھا جس کے لئے ایک جرنیل کا ہیلی کاپٹر گرایا گیا اس کی جگہ دوسرا مقرر کر کے وہاں سرنڈر کرایا گیا اور وہاں آگے بڑھنے سے روک دیا گیا دریا کے پل سے وہ دریا جو مسلمانوں نے چھین لیا تھا جس کے پل کے آخری حصہ ہندوؤں نے گرا دیا تھا وہاں پر مسلمان افواج کو روک دیا گیا اور آگے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر وہ شہر تھا آج بھی ہماری سرحد چوکی اس دریا کی پل میں ہے اگلے سرے پر لیکن کشمیر کا راستہ کھلا ہے اگر ان دنوں بھی بند ہو جاتا تو ابھی تک ہندوستان کے پاس کوئی متبادل راستہ نہیں ہے یہی اکیلا راستہ ہے۔

یہ وہ بنیاد تھی اور پھر آگے چل کر اس کے ساتھ کیا کیا کھیل نہیں کھیلے گئے سب سے بڑی بات کہ جس مقصد کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا بڑے اعلان کے ساتھ ہمارے سیاست دانوں نے کہہ دیا کہ یہ اسلام اسلام کی رٹ جو ہے اس کے لئے پاکستان نہیں بنایا گیا تھا بلکہ مسلمانوں کو اقتصادی طور پر ہندو کے چنگل سے آزاد کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اور یہ محض اقتصادی کوشش تھی کہ مسلمان ہندو کے محتاج نہ رہیں بلکہ یہ خود کاروبار کریں اپنا کام خود کریں یہ بھی دولت مند ہو جائیں لیکن عجیب بات ہے کہ پچاس سالوں میں ہمارا

بر سر اقتدار طبقہ اس آواز کو دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکا کہ یہ ملک اسلام کے لئے ہے اور اس کا مقدر اسلام ہے بڑی عجیب بات ہے حالانکہ پچاس سال اس کوشش میں صرف ہو گئے ہر حکومت کے یہ مت کئے کہ اس میں پیپلز پارٹی گنہگار ہے اس میں کسی پارٹی کا سوال نہیں ہے کسی اپوزیشن اور حکومت کا سوال نہیں ہے اس میں حکمران طبقے کی بات ہو رہی ہے۔

آج میں نے مسلم لیگ کا اعلان بھی پڑھا وہ فرماتے ہیں ہم خلافت راشدہ کا نظام نافذ کریں گے لیکن جب بر سر اقتدار تھے اور شرعی عدالت نے سود کے خلاف فیصلہ دے دیا تھا کہ سود شرعاً حرام ہے تو یہی خلافت راشدہ کا نعرہ لگانے والے اس کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں لے گئے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے سپریم کورٹ کے سرد خانے میں ڈال دیا

پچاس سال کی محنت کے باوجود حکمران اسلام کے مطالبے کو عوام کے دلوں سے کھرچ نہیں سکے یہ مجبوری ہے کہ انہیں اسلام نہیں چاہئے اسلام نہیں چاہئے انہیں حکومت بنانے کے لئے حکومت میں جانے کے لئے، حکومت تک پہنچنے کے لئے لوگوں کی رائے لوگوں کے ووٹ لوگوں کی تائید چاہئے۔

ہماری وزیر اعظم صاحبہ نے بڑے ڈنکے بجائے کہ ضیاء الحق کی باقیات کا صفایا کر دیں گے لیکن سر پہ دوپٹہ ہاتھ میں تسبیح یہ ضیاء کی باقیات ہے۔ حکومتی ایوانوں میں یا اسلام آباد میں تسبیح اور دوپٹے کو لے کر ضیاء الحق پہلی دفعہ آیا ضیاء الحق کے زمانے میں لوگ نماز پڑھتے شرماتے نہیں تھے اس سے پہلے جو نمازی ہوتا تھا چھپ چھپا کر پڑھتا تھا تو میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ ضیاالحق کی کرامت ہے یہ کرامت ہے اسلام کی یہ معجزہ ہے محمد

آج وہ بھی مجبور ہیں کہ ہم خلافت راشدہ کا نظام لائیں گے کیوں؟ وہ جو اسلام کو اتنی بے دردی سے دبانے پہ تلے تھے ان کی مجبوری کیوں بن گئی شاید پچاس سال کی محنت کے باوجود حکمران اسلام کے مطالبے کو عوام کے دلوں سے کھرچ نہیں سکے یہ مجبوری ہے کہ

جائے اور اس کا کبھی فیصلہ نہ کیا جائے اور وہ ابھی تک سرد خانے میں پڑی ہے اسے کوئی نہیں چھیڑتا اس لئے کہ جانے والوں کا مسلک بھی یہی تھا اور ان کے جانشینوں کا مسلک بھی وہی ہے اور اس زمانے میں Mouth Piece ہوا کرتے تھے مسلم لیگ کی حکومت کے سردار آصف احمد علی صاحب نے بڑے دھڑلے سے فرمایا تھا کہ اگر سود چھوڑ دیا جائے تو اقتصادی طور پر ہم زندہ ہی نہیں رہ سکتے یہ ساری باتیں آن ریکارڈ ہیں کہ کسی کے خلاف یا کسی کی شان کے خلاف نہیں میں کہہ رہا ہوں یہ وہ باتیں ہیں جو ہمارے سامنے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ ہمیں کم از کم یاد رکھنی چاہیں آج وہ بھی مجبور ہیں کہ ہم خلافت راشدہ کا نظام لائیں گے کیوں؟ وہ جو اسلام کو اتنی بے دردی سے دبانے پہ تلے تھے ان کی مجبوری کیوں بن گئی شاید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو لوگ اسلام کا نام نہیں سننا چاہتے مجبوری ان کی بھی ہے کہ دوپٹہ بھی لیں اور تسبیح بھی ہاتھ میں رکھیں اس لئے کہ عام مسلمان کی نظر جو ہے وہ اسلامی شعار پر ہوتی ہے بندے کے قد کاٹھ پر نہیں بندے کی باتوں پر اس کی مچھے دار تقریر پر اس کے دعووں پر اس کے نعروں پر نہیں بلکہ پھر سے اس کی نظر مسلمان کی اسلامی شعار پہ پڑتی ہے اور وہ دل میں تو گالیاں دیتے ہیں اس تسبیح کو اس دوپٹے کو لیکن لوگوں کے سامنے انہیں اوڑھ کر آنا پڑتا ہے دل میں تو وہ جان چھڑاتے ہیں مجھے یاد ہے میاں نواز شریف صاحب نے فرمایا تھا جب وہ وزیر اعظم تھے کہ I AM NOT A FUNDAMENTALIST بڑا ڈنکے کی چوٹ ایک غیر ملکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا

مشقت سے عبادت ہے جو اس دنیا کو بہتری کی طرف لے جائے مظلوم کا ساتھ دے ظالم کو ظلم سے روکے برائی کو روکے اور نیکی کو فروغ دے ہروہ کلمہ ہروہ محنت ہروہ قدم جہاد ہے اور مسلمان کی زندگی جہاد سے عبارت ہے اگر جہاد کو درمیان سے نفی کر دو تو مسلمان کا تصور وہاں ختم ہو جاتا ہے جہاد کی نفی کب ہوتی ہے جب ہمیں اپنی ذات اپنے مفادات سب لوگوں سے عزیز ہو جائیں فرمایا

قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم۔

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجئے اللہ رب العزت حکم دے رہے ہیں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ توبہ میں یہ آیت موجود ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما دیجئے کہ لوگو! اگر تمہیں اپنے والدین اپنی اولاد اپنے بھائی اپنی بیویاں اپنا خاندان اور وہ مال وہ دولت جو تم نے جمع کر رکھی ہے اور وہ بزنس وہ تجارت وہ کاروبار جس میں نقصان کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہاری عالی شان کوٹھیاں۔

احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ۔

اگر یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ کی راہ میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں چلنے سے روکیں اور جہاد میں رکاوٹ ڈالیں یا جہاد سے تمہیں یہ چیزیں عزیز ہوں۔ منع نہیں کیا کہ کسی کے والدین نہ ہوں ضرور ہوں ان سے محبت بھی کرے منع نہیں فرمایا کہ اولاد نہ ضرور ہو اور اولاد سے محبت بھی کرے بھائی ہوں بھائیوں سے پیار بھی کرے بیویاں ہوں بیویوں کو اچھا بھی جانے عزیز رشتہ داروں ان سے اچھا تعلق قائم رکھنے کی کوشش بھی کرے اچھا گھر بھی بنائے لیکن یہ سب کچھ اللہ کی راہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں چلنے سے روکے نہیں یہ سب کچھ دوسرے سے چھین کر نہ بنایا جائے اور ظلم سے نہ بنایا جائے دوسرے کے حق پر ڈاکہ ڈال کر نہ بنایا جائے رشوت اور بد دیانتی سے نہ بنایا جائے حلال ذرائع سے رزق حاصل کرنے سے اسلام منع نہیں کرتا لیکن اگر یہ دوستیاں یہ رزق جہاد کی راہ میں روکاوٹ بن جائیں تو فرمایا

فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ

تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو کہ اب آیا کہ کب آیا۔ پھر نہیں بچ سکتے پھر تمہارا بظاہر کلمہ پڑھنا سجدے کرنا تسبیحات ہاتھ میں رکھنا یہ سارے فریب کام نہیں آئیں گے پھر انتظار کرو حتی یاتی اللہ بامرہ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایسے بد کاروں کو اللہ توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتا گناہ کا ہو جانا ایک الگ بات ہے لیکن عظمت الٰہی کے مقابلے میں دنیا کو عزیز رکھنا یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ واللہ **لا یھدی القوم الفسقون** ایسے بد کاروں کو اللہ توبہ کی توفیق بھی نہیں دیتا ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

ہماری قیادت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری قیادت کی ساری فکر انہی خانوں میں گھومتی ہے جن خانوں کا ذکر آیہ مبارکہ کر رہی ہے اپنا ذاتی اقتدار اپنے ذاتی مفادات اپنے لئے دولت اپنے بچوں کے لئے دولت اپنے لئے محلات اپنے لئے آسائشیں اور ناجائز طور پر ظلماً"۔ پچھلے دنوں حج کے دنوں میں جلسہ ہو رہا تھا سرگودھے جماعت اسلامی کی طرف سے انہوں نے مجھے بھی بلایا میں بھی چلا گیا ہمارے ملک کا حج وفد گیا ہوا تھا جس میں اسمبلی کے ممبر بھی تھے۔ سینٹ کے ممبر بھی تھے سیاست دان بھی تھے کتنی عجیب بات ہے اس ملک کا مقدر دیکھو کہ ایک آدمی جس ملک کے شہری پانی کی بوند کو ترستے ہیں یہاں آپ کو کتنے ایسے گاؤں کتنے ایسے ڈیرے کتنی ایسی آبادیاں ملیں گی جو ان چھوٹے چھوٹے جوہڑوں سے پانی پینے پہ مجبور ہیں جہاں ساری رات جنگلی سور اس میں لوٹتے ہیں دوائی کو آپ رہنے دیں بنیادی ضرورت ہے پینے کا پانی جس ملک کے شہریوں کو پینے کا پانی بھی میسر نہیں ہے اس ملک کے سیاست دانوں کو

ملکی خزانے پہ حج کرنے کی سعادت کیسے نصیب ہو جاتی ہے کیسے ان کا حوصلہ کیسے جرائت کرتے ہیں وہ کہ ان لوگوں کے فنڈز پر ان لوگوں کے سرمایے پر ان لوگوں کے ٹیکسوں پر ان لوگوں کے خون اور پسینے پر حج کریں تو میں نے اس جلسے میں کہہ دیا لوگو تم فکر مند نہ ہو کہ ڈیلی گیشن میں چونکہ جماعت کے یہ امیر صاحب بھی گئے ہوئے تھے اس ڈیلی گیشن میں میرے اچھے دوست بھی ہیں بزرگ بھی ہیں آج کل اسلام کے لئے لڑ بھی رہے ہیں لیکن اس حج ڈیلی گیشن میں قاضی صاحب بھی تھے تو میں نے کہا بھائی آپ رنجیدہ نہ ہوں کہ لوگ حج پر چلے گئے اور ہم رہ گئے یہ جتنے سرکاری حج پر گئے ہیں ان کے خرچ میں ہمارا خون پسینہ شامل آج نہ سہی کل میدان حشر میں ہم اس سے ٹکڑا ٹکڑا چھینے گے یہ اپنی جیب سے حج پر نہیں گئے ہمارے سرمائے پر گئے ہیں اور آپ فکر مند نہ ہوں اس حج میں ہم بھی شامل ہیں آج نہ سہی فردا حشر تو قابو آئیں گے تو ہم اپنا اپنا ٹکڑا چھینیں گے جس کی جیب سے پائی نہیں گئی اس کے پلے کچھ نہیں رہے گا۔

تو یہاں جو عیاشی کی جاری ہے یہاں جو ظلم کیا جا رہا ہے یہاں جو اسلام کا راستہ روکا جاتا ہے جو کچھ خود کرنا چاہتے ہیں ہم مجبور کرتے ہیں کہ کہو یہی اسلام ہے اس کے لئے ایمان خریدے جاتے ہیں اس کے لئے انسان خریدے جاتے ہیں اس کے لئے فتویٰ دینے والے خریدے جاتے ہیں لیکن یہ سارا کچھ کیا عذاب الٰہی سے اللہ کی گرفت سے بچا سکے گا۔ ہرگز نہیں اور جس قادر مطلق نے اس وطن کو وجود بخشا اور تب سے لے کر اب تک اس کی حفاظت فرما رہا ہے دنیا کے کسی ملک کی تاریخ میں آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس ملک کی قیادت نے اپنی فوج کو لڑنے کے لئے نقلی اسلحہ دیا ہو نقلی بارود دیا ہوا دنیا کی کسی بدترین قوم کی تاریخ میں آپ نہیں دکھا سکتے اور مزے کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہ سارے کرتوت خود ہمارے بارے میں چھپتے ہیں اور کتنی عجیب یہ قوم ہے کہ کسی نے اس پر اف تک نہیں کی کہیں سے آواز نہیں اٹھی شاید کسی کی نظر پڑی بھی ہے یا نہیں اس طرح کے بے نیاز لوگ ہیں تو سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس کا وجود پھر سے نہ صرف قائم ہے بلکہ اس کے وجود سے کافر دنیا لرزاں و ترساں ہے کیا وہ مجھ سے ڈرتے ہیں کیا وہ آپ سے ڈرتے ہیں ہم سے کیوں ڈریں گے ہمیں تو اپنے آپ کی بھی خبر نہیں کیا وہ ہماری فوج سے ڈرتے ہیں کیا وہ ہمارے سیاست دانوں سے ڈرتے ہیں کوئی ڈرنے کی وجہ نظر نہیں آتی کیا وہ ہماری لیڈر شپ سے ڈرتے ہیں مجھے تو کوئی ڈرنے کی وجہ نظر نہیں آتی کیوں ڈرتے ہیں شاید اس لئے اور یقیناً اس لئے کہ ایک عام مسلمان کے دل سے اسلام کی محبت کو کھرچا نہیں جا سکا یہ بے وقعت سے کسان یہ جنگلوں کے باسی چرواہے یہ جوہڑوں کا پانی پینے والے جاہل یہ کمزور یہ دنیا کے محروم ترین لوگ ان کے پاس کچھ بھی نہیں لیکن اسلام کے لئے آج بھی یہ پوری دنیا سے ٹکر لینے پہ تیار بیٹھے ہیں یہ وہ طاقت ہے جس سے کفر ڈرتا ہے اور یہ وہ طاقت ہے جو اللہ کی امانت ہے اس زمین پر وہ کبھی ضائع نہیں ہوگی اگر نصف صدی کے تھپیڑے اسے بگاڑ نہیں سکے تو اب یہ دانہ اگنے کا وقت آیا ہے اگر یہ دانہ پچاس سال تک خاک میں ملا رہا تو اس کا مطلب ہے کہ بڑی لمبی عمر کا پودا ہے جس کا بیج پچاس سال بعد اگنے کو آیا ہے تو یہ صدیوں بھر تناور درخت بن کر دنیا کو سایہ مہیا کرتا رہے گا جو بھی جتنی دیر بعد اگتا ہے اس کا پودا اتنا بڑا ہوتا ہے اور اس کی عمر اتنی صدیاں طویل ہوتی ہے اگر یہ تخم جسے بظاہر آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کے بخیئے ادھیڑ دیئے گئے تو جو دانہ مٹی میں ملتا ہے بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے گل سڑ جاتا ہے اس کی شکل بدلتی ہے لیکن وہ فنا نہیں ہوتا اس میں سے ایک پودا اگتا ہے یہاں کا بھی عام مسلمان جسے ہم سمجھتے ہیں کہ اسے ذلیل کیا گیا اسے لوٹا گیا اسے مارا گیا یہ سب کچھ وہ عمل ہے جس نے اس کی فطرت کو اسلام کا پودا اگانے کی استعداد پیدا کر دی اب یہ پودا اگ رہا ہے اسے کوئی نہیں روکے گا کوئی روک سکتا ہی

نہیں یہ فطرت کا ایک عمل ہے آسمان سے فرشتے نہیں آئیں گے یہی لوگ انہیں اللہ کریم توفیق دے گا یہی لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ دنیا کو پھر اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں سے آشنا کریں گے۔

مغرب مفت میں نہیں ڈرتا بلکہ مغرب اپنے مذہب پر اتنی ریسرچ نہیں کرتا اگر اپنے مذہب پر وہ ریسرچ کرتے تو وہ حق کو لیتے انہیں پتہ چل جاتا کہ یہ ساری خرافات ہیں جو ہم نے جوڑ رکھی ہیں اسلام پہ وہ ریسرچ کرتے رہتے ہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ احیائے اسلام ہو گا اور اسی خطے سے ہو گا اور ان کے لئے یہ ایک بہت بڑا خطرہ بن رہا ہے۔ اللہ کرے کہ جس بات کو مغرب نے بڑی دیر سے سمجھ رکھا ہے وہ ہمارے اس سادے مسلمان کی سمجھ میں بھی آجائے یہ اٹھ کھڑا ہو۔ اور یہ اٹھے گا ہمیں تو حسرت یہ ہے کہ اللہ توفیق دے کہ یہ انقلاب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اس کے بپا ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے مجھے یہیں اس دھرتی کے لوگ اس دھرتی پہ اسلامی نظام قائم کریں گے اور پوری دنیا کو اسلامی انصاف مہیا کرنے کا سبب نہیں گے مغرب اس لئے ڈرتا ہے کہ اگر یہاں اسلامی ریاست بن جائے اور فرد کو وہ حق حاصل ہوں جو اسلام دیتا ہے تو یورپ اور امریکہ اپنے شہریوں کو مسلمان ہونے سے نہیں روک سکتے یہ ان کے بس کی بات نہیں اور وہاں سال سے بھی کم عرصے میں اتنے لوگ مسلمان ہو جائیں کہ وہ ازخود اسلامی ریاستیں بن جائیں گی یہاں سے کسی کو وہاں توپ چلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ چونکہ ان کی آبادیاں ان کے شہری ان کے اقوام تھک چکی ہیں گناہ سے تھک چکی ہیں بے راہ روی سے تھک چکی ہیں فحاشی سے اب ان کے سامنے آگے کوئی راستہ نہیں ہے ڈیڈلاک ہے آگے آگے کوئی راستہ نہیں کوئی برائی بھی ایسی نہیں جو انہوں نے نہ کر کے دیکھ لی ہو لیکن کہیں انہیں سکون نام کی کوئی چیز نہیں ملی اب اگر انہیں کوئی پر سکون ماحول میسر آئے پر سکون شہر نظر آئے پر سکون قوم نظر آئے پر سکون مذہب نظر آئے پر سکون دیس نظر آئے تو وہ اس جیسا ہونے میں کوئی دیر نہیں کریں گے اس لئے مغرب ڈرتا ہے اس لئے نہیں ڈرتا کہ یہاں اسلامی ریاست بن گئی تو یہاں سے لوگ اٹھ کر امریکہ کو فتح کر لیں گے یا یہاں سے لوگ جائیں گے یورپ کو فتح کر لیں گے بلکہ یورپ و امریکہ ازخود فتح ہوتے چلے جائیں گے یہ دبی ہوئی چنگاریاں آپ نے ان کا ظہور دیکھا کہ جن ریاستوں کو روس نے ستر سال تک اپنے چنگل میں دبائے رکھا آذان کہنا جرم ہو گیا مساجد اصطبلوں میں تبدیل ہو گئیں اور علماء کو شہید کر دیا گیا بڑی بے دردی سے اور بڑے مظالم کئے گئے پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسان انسان کے ساتھ اتنا ظلم بھی کرتا ہے ثمرقند بخارا کی خون چکاں داستان کسی نے لکھی تھی اس پر یادداشتیں کبھی آپ کی نظر سے گزریں تو پڑھیں کہ وہاں کیا بیتی اس کے باوجود وہ چنگاری جو مسلم کے دل میں دبی رہی وہ آج پھر ایک شعلہ بن چکی ہے اور آج روسی افواج کے لئے پھر وہ بڑی مصیبت بنی ہوئی ہے اور آج پھر وہی مسلمان جنہیں ستر سال تک علی الاعلان کوئی کلمہ بھی نہیں پڑھنے دیتا تھا آج وہ پھر بر سر منبر آذانیں دے رہے ہیں شہید ہو رہے ہیں اللہ کے نام پر جانیں دے رہے ہیں اور عالم کفر کو مبہوت کر کے رکھ دیا ہے وہاں تو وہ اتنی بے دردی سے بجھائی گئی تھی یہاں اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکا یہاں تو مساجد قائم ہیں مدارس قائم ہیں مسلمان اسلامی شعار کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں یہاں تو سارا مواد موجود ہے ایک شعلہ دکھانے کی دیر ہے تو جب یہ میدان عمل میں آجائیں گے اور انشاء اللہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ لوگوں کو اس میدان میں آنا ہو گا اللہ کرے ہمیں بھی توفیق نصیب ہو کہ احیائے اسلام کے کام میں ہم عملی طور پر حصہ لے سکیں اسلام کو غالب ہوتا ہوا دیکھیں اسلام کی راہ میں اللہ ہماری جان ہمارا مال ہمارا خون بھی قبول فرمائے کہ ہمارے لئے اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہونے کا سبب بن جائے فردا قیامت ہم سب کو حضور حق میں کھڑا ہونا ہے اللہ کرے کہ راہ حق میں شہید ہو کر سرخرو ہو کر وہاں پہنچیں اور خداوند عالم توفیق دے کہ ہم انقلاب اسلامی کا حصہ بن سکیں۔

عصر حاضر میں علماء کا سکڑتا ہوا کردار ۔ اسباب اور سدباب

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

آج امام مالک "و ابو حنیفہ" کے وارث دوسروں کے محتاج اور ضمیمہ کیوں دکھائی دیتے ہیں؟ آج امام جعفر صادق کے نام لیوا دوسروں کے ترجمان اور ناطق کیوں بنے ہوئے ہیں؟ آج امام ابن تیمیہ "اور ابن قیم" کے معنوی فرزند چھوٹے چھوٹے دائروں میں کیوں بند ہو کر رہ گئے ہیں؟ اور آج مجدد الف ثانیؒ کے کردار اور ولی اللہی فکر کے امین سمٹ سمٹا کر گوشہ نشین کیوں ہو گئے ہیں؟ موتیوں سے کھیلنے والے آج سنگریزوں سے دل بہلا کر کیوں خوش رہتے ہیں؟ وقت کا امام کہلانے والوں سے کار جہاں کی زمام کیونکر چھن گئی ہے؟ اور قافلہ سالار کس لئے بے یار و مددگار ہو گئے ہیں؟ ظاہر ہے اس کایا کلپ کے کچھ اسباب ہوں گے' کچھ خوشگوار اور بعض ناگوار لیکن ان اسباب کا تجزیہ کئے بغیر یہ داستان عروج و زوال مکمل نہیں ہو پاتی۔

یہ حقیقت بہت تلخ سہی لیکن اسے مان لینا چاہئے اور ماننے کے علاوہ چارہ بھی نہیں کہ عصر حاضر میں دینی علماء اور زعماء کا کردار معاشرے میں سکڑ کر رہ گیا ہے' اور برابر سکڑتا سمٹتا چلا جارہا ہے' ایک طرف تو دنیا بھر میں اسلام کا غلغلہ ہے' اور جادو بن کر ہر ایک کے سر پر چڑھ کر بول رہا ہے' مغرب نے اپنی مادی اور بے خدا تہذیب کے جملہ مالی' ذہنی' فکری اور سیاسی وسائل اسلام کی راہ روکنے اور اسلام پسندوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں' مغرب کو سب سے زیادہ پریشانی اگر کسی جانب سے ہے تو وہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیاسی کردار اور اس کی فکری و روحانی یلغار کی طرف سے ہے۔

امریکہ اور مغرب میں ریسرچ ونگ قائم ہو رہے ہیں' نئے فلسفے تراشے جا رہے ہیں' گوناگوں تہمتیں گھڑی جا رہی ہیں' اور اکیسویں صدی کے لئے نئے حوالے ڈھونڈھے جا رہے ہیں' یہ سارا اہتمام صرف اور صرف اس دین کی روک تھام کے لئے ہے جس کی تہذیب اگلی صدی میں ایک بار پھر فاتح اور غالب تہذیب کے طور پر ابھر اور مختلف خطوں میں گھر کر رہی ہے' وہ مسلم ممالک جہاں کمیونزم اور مغرب نے اپنے سارے ذرائع صرف کر کے اسلام اور اس کے فلسفے' نظام اور تہذیب کو سرنگوں اور لوگوں کو اس سے بیزار کر دیا تھا وہاں پھر سے اسلام لوگوں کے لئے نقطہ ماسکہ (NUCLEUS) اور قوت جاذبہ (ABSORBENT) بنتا جا رہا ہے'

انڈونیشیا ہو یا الجزائر اور ترکی' وسطِ ایشیائی ریاستیں ہوں یا شام اور سوڈان' مصر ہو یا اردن' ہر جگہ احیائی عمل اور رجوع الی الاصل زوروں پر ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ خالص اسلام کے علمبردار اور دین کے ترجمان سیاسی و معاشرتی حوالے سے تقریباً" الگ تھلگ اور لاتعلق سے دکھائی دیتے ہیں' اور لوگوں میں ان کے لئے وہ اپنائیت اور قبولیت نظر نہیں آتی جس کی ایک مسلم قوم اور اسلامی معاشرت میں توقع کی جانی چاہئے' ایک آدھ ملک چھوڑ کر جہاں بھی اسلامی احیائی تحریکیں جاری ہیں وہاں ان کی رہنمائی وہ لوگ کر رہے ہیں جو ہیں تو سچے اور مخلص دین دار لیکن روایتی حلقہ علماء سے ان کا تعلق نہیں اور ان کا شمار علماء میں نہیں ہوتا اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین اپنی انقلابی قوت اور روحانی کشش سے تہی دامن نہیں' کچھ کمی ہے تو اس کے علمبرداروں میں ہے جو سب سے زیادہ دینی ورثے کے امین اور اسلامی علوم کے حامل ہیں' حالانکہ دین کے معاملے میں سب سے زیادہ اعتماد کے لائق یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر مرحلہ دین کی روشنی میں طے کیا اور ہر سانس اسلام کی فضا میں لی باوجود اس کے' علماء کا کردار وسعت پذیر ہونے کے بجائے محدود ہوتا چلا جا رہا ہے' یہ ناخوشگوار واقعہ لمحہ فکر تو ہے ہی نقطہ اصلاح بھی بن سکتا ہے بشرطیکہ گرد و پیش پر کوئی غور کرنے کے لئے آمادہ ہو' آج امام مالک "وابو احنیفہ" کے وارث دوسروں کے محتاج اور ضمیمہ کیوں دکھائی دیتے ہیں؟ آج امام جعفر صادق کے نام لیوا دوسروں کے ترجمان اور ناطق کیوں بنے ہوئے ہیں؟ آج امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کے معنوی فرزند چھوٹے چھوٹے دائروں میں کیوں بند ہو کر رہ گئے ہیں؟ اور آج مجدد الف ثانی کے کردار اور ولی اللہی فکر کے امین سمٹ سمٹا کر گوشہ نشین کیوں ہو گئے ہیں؟ موتیوں سے کھیلنے والے آج سنگریزوں سے دل بہلا کر کیوں خوش رہتے ہیں؟ وقت کا امام کہلانے والوں سے کار جہاں کی زمام کیونکر چھن گئی ہے؟ اور قافلہ سالار کس لئے بے یار و مددگار ہو گئے ہیں؟

ظاہر ہے اس کایا کلپ کے کچھ اسباب ہوں گے' کچھ خوشگوار اور بعض ناگوار' لیکن ان اسباب کا تجزیہ کئے بغیر داستان عروج و زوال مکمل نہیں ہو پاتی۔

عہد استعمار کا شاخسانہ

ہمارے معاشرے نے علماء کو اس طرح اپنے دامن سے کیوں جھٹک دیا؟ جب کہ ہماری روحانی و معاشرتی زندگی کا ایک بڑا حصہ علماء سے وابستہ و منسوب ہے' بے شمار مساجد کے لاکھوں نمازی اور اس طرح دیگر دینی رسوم و شعائر کے اعتبار سے کروڑوں لوگ علماء کے رابطے میں رہتے ہیں' بااین ہمہ یہ بیگانگی اور لاتعلقی عجیب سی محسوس ہوتی ہے' ہمارے نزدیک اس کا ایک بنیادی سبب تو عہد استعمار ہے جب انگریز نے یہاں قدم رکھا اور اپنا نظام تہذیب و تعلیم نہ صرف متعارف کرایا بلکہ اسے پورے وسائل کے ساتھ رائج کیا اور ساتھ ہی اسے غالب کرنے کی تدبیر کی تو خواہی نخواہی یہ اثر لوگوں پر مرتب ہوا کہ دین اور سیاست دو الگ چیزیں ہیں' صرف الگ ہی نہیں متضاد اور متصادم ہیں' اس طرح فقہی رہنمائی اور سیاسی رہبری کے دو الگ دائرے بن گئے' جن کو جاگیریں ملیں' جن کی جیب میں سرمایہ تھا' جو لوگ لندن یاترا کر کے آئے' جو برادریوں کے سرپنچ تھے' جو مزاج شناس فرنگ تھے' اور جو دینی زوال پر قانع اور دنیوی عروج کے حریص تھے' انہیں سیاسی ناخدا بننے کے تمام مواقع میسر آ گئے' اور رہ گئے علماء' تو وہ درس حریت دینے میں لگے رہے' بھلا وہ دو گروہ کس طرح سیاسی و معاشرتی عروج بیک وقت حاصل کرتے جن میں سے ایک انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کر رہا ہو اور دوسرا انگریز کا دربان بن رہا ہو' ایک فرنگی تہذیب سے الجھنے والا ہو اور دوسرا اس کی طرف لپکنے والا ہو' ایک مزاحمت کر رہا ہو اور دوسرا معاونت میں لگا ہوا ہو' ایک جرائر انڈیمان کی قید

کاٹ رہا ہو اور دوسرا فرمنگیوں کے تلوے چاٹ رہا ہو ایک فرنگی راج کا باغی ہو اور دوسرا اس کی چاکری پر راضی ہو' ایک پیٹھ پر کوڑے کھا رہا ہو اور دوسرا میم صاحب کے کتے نہلا رہا ہو۔ نتیجہ نکلا یہ کہ جو لوگ فرنگی استعمار کے چوکھٹے میں فٹ ہوتے گئے ان کی راہیں آسان ہوتی چلی گئیں اور جو لوگ اللہ و رسول ؐ کی چوکھٹ پر پڑے رہے ان کے لئے زندگی تاوان بنتی چلی گئی یہ بات پبلک کو ناگوار ہو تو سوبار ہو علماء کے راندہ درگاہ ہونے کا ایک بڑا سبب انگریز کے سیاسی نظام اور اس کی تہذیب کا غلبہ ہے جس کو علماء کی بے جا ضد کہئے یا انگریز سے کد کا نام دیجئے وہ بہرحال اس دائرے میں آگے نہ بڑھ سکے اور سمٹنے اور سکڑنے پر مجبور ہو گئے یا مجبور کر دیئے گئے' چنانچہ وہ دن اور آج کا دن ہم تحریری طور پر نہ سہی غیر رسمی طور پر دین و سیاست کی تفریق کے قائل ہیں' اور معاشرتی و سیاسی رہنمائی کے لئے علماء کو نااہل قرار دے چکے ہیں' علماء کی تقدیس و عظمت اپنی جگہ' لیکن پرنالہ وہیں پر ہے جہاں اسے انگریز نے نصب کیا تھا' اسی طرح لارڈ میکالے کی تعلیمی سفارشات کے نتیجے میں مرتب ہونے والا تعلیمی نظام' نیا بندوبست اراضی' حکومتی اداروں پر انگریزی اثرات کی یلغار' نیا طبقاتی سیٹ اپ' اور اس طرح کے دیگر بے شمار عوامل ہیں جو علماء کی شخصیت' ان کے وقار' ان کی کارکردگی' اور ان کے سیاسی و سماجی کردار پر اثر انداز ہوئے جو آج ذرا زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہو رہے ہیں' اپنے کردار کی محدودیت کے حوالے سے صرف علماء ہی مورد الزام نہیں ٹھہرتے' کچھ اور باتیں بھی ہیں جنہیں ہم سننا نہیں چاہتے یا سن تو لیتے ہیں ماننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

لیکن علماء اگر یہ فرض کر لیں کہ ان کے خلاف ہی سازش ہوئی ہے اور انہوں نے کوئی موقع مہیا نہیں کیا تو یہ اسی طرح کی سادہ لوحی ہوگی جس طرح کے عوام کی حقیقت گریزی ہے' چونکہ تمام شواہد اور حقائق یہ پتہ دے رہے ہیں کہ روزبروز علماء کا سماجی کردار گھٹ رہا ہے اور معاشرے میں ان کا وجود و عدم ایک برابر ہو رہا ہے' اور معاشرے کے فیصلہ کن عناصر ان سے کسی مشاورت کی احتیاج محسوس نہیں کر رہے اس لئے ضروری ہے کہ ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے جن سے اندازہ ہو سکے کہ نوبت یہاں تک کیوں آپہنچی ہے؟ ان پہلوؤں کے تجزیئے سے اگر علماء ناراض ہوں گے تو ان کے خلاف لوگوں کو ایک اور دلیل میسر آجائے گی' جس کے اب کم ازکم علماء متحمل نہیں ہوسکتے' اس لئے کہ چڑیاں تقریباً" سارا کھیت چک گئی ہیں' دوچار دانے رہ گئے ہیں تو وہ بھی کسی وقت اچک لیں گی' ہماری دیانتدارانہ رائے میں اور ساتھ ہی دردمندانہ احساس کے ساتھ من جملہ دیگر وجوہ کے چند موٹے موٹے اسباب یہ ہیں جو علماء کے عظیم الشان سماجی و سیاسی کردار ادا کرنے میں رکاوٹ بنے ہیں۔

فرقہ وارانہ مزاج

علماء بلاشبہ انبیاء کے وارث ہیں اور رسول اعظم و آخر ﷺ کا تو سارا ورثہ علماء ہی کو منتقل ہوا ہے' نبی کے ہاتھوں جو امت تشکیل ہوئی اس کے اخلاق کی تہذیب اور عناصر کی ترتیب علماء نے کرنی تھی مگر بدقسمتی سے تصور امت تحلیل ہو کر فرقہ واریت کے ہیولے میں منتقل ہو گیا' اور یہ لے برصغیر پاک و ہند میں کچھ زیادہ تیز ہو گئی' فرقہ واریت کے اس بے محابا فروغ میں کچھ فرنگی حکومت کی چالیں اور سیاسی مصلحتیں بھی شامل تھیں' لیکن اس کی آبیاری میں علماء نے بھی پورا پورا حصہ لیا' چنانچہ محبت و نفرت' اپنائیت و اجنبیت' دوستی و عداوت اور قربت و غیریت کا پیمانہ امت نہیں رہی بلکہ فرقہ بن گیا' ہر ایک فرقے کی میزان میں تولا جانے لگا' فرقے کی آنکھ سے دیکھا جانے لگا' فرقے کی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا اور فرقے کے

سانچے میں جانچا جانے لگا' جب علماء فرقوں کے جواز کے لئے لازماً" فرقوں میں تقسیم ہوتا تھا' اور فرقہ جب ہے ہی تفرقے کا دوسرا نام' تو پھر وحدت و یکجہتی کہاں سے آتی' چنانچہ جو قوم فرقوں میں بٹ جائے یا بانٹ دی جائے تو اس کے اہداف و مقاصد امت سے مختلف ہوتے ہیں' امت عقیدہ و عمل کی وحدت سے تشکیل پاتی ہے اور فرقے مختلف رسوم و شعائر سے مشخص ہوتے ہیں' جب علماء نے فرقہ وارانہ ترجیحات نئے سرے سے متعین کیں تو نفرت و محبت کا ہدف بدل گیا اسلام کے دشمن سے وہ نفرت نہ رہی جو اپنے فرقے کے مخالف سے پیدا ہوگئی' امت کی ذلت پر اتنا ملال نہ ہوا جس قدر اپنے فرقے کی شکست پر رنج محسوس ہوا۔

جب امت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئی تو علماء امت کے پیشوا نہ رہے بلکہ اپنے اپنے دھڑے کے رہنما بن گئے' جس طرح ہر دھڑا دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل گیا اسی طرح علماء بھی ایک دوسرے کی شکست کی آرزو کرنے لگ گئے' ظاہر ہے چار آٹھ فرقے باہم دست و گریباں ہوں گے اور اسی طرح علماء بھی مصروف پیکار تو پھر کہاں کا وزن اور کہاں کا وقار باقی بچے گا؟ کچھ عرصے بعد جب لوگوں نے عملی زندگی میں اس تقسیم کی کوئی افادیت نہ دیکھی اور وہ رفتہ رفتہ کاموں میں لگتے گئے اور شعور عصر بھی نسبتاً" وسیع اور پختہ ہوتا گیا گرد و پیش نے بھی نئے حقائق کی نقاب کشائی کی اور مواصلاتی رابطوں نے لوگوں کو نئے زاویوں سے آشنا کیا تو لوگوں کی فرقہ بندی سے وابستگی کمزور پڑتی گئی' اور لوگوں نے محسوس کیا کہ اقوام عالم کی صف میں اگر امت' کوئی کردار ادا نہیں کر سکتی تو چھوٹے چھوٹے فقہی گروہ بھلا کیا کر سکیں گے؟ علماء تو چونکہ ان فرقوں کے رہنما تھے وہ کیسے پیچھے ہٹتے علماء تو ڈٹ گئے مگر عوام کا اچھا خاصا اور موثر اور فعال طبقہ پیچھے ہٹ گیا اور اس طرح لوگوں کا علماء سے اور علماء کا لوگوں سے رابطہ کٹ گیا' نماز' روزہ' زکوۃ' مسجد' نکاح' طلاق اور دیگر مسائل کی حد تک تو لوگوں نے علماء سے اپنا رابطہ استوار رکھا لیکن وہ مسائل جن کا ملکی معاملات' سیاسی اصلاح اور بگاڑ سے تعلق تھا اس سلسلے میں لوگوں نے علماء کو قابل اعتماد نہ سمجھا اور اپنے لئے دوسری راہیں ڈھونڈھ لیں' حق یہ ہے علماء نے جتنا زور اپنے اپنے فرقوں کی توسیع و اشاعت پر لگایا ہے اگر اتنی قوت اور ہمت غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے اور پہلے سے موجود مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت سدھارنے میں کھپاتے تو خدا شاہد ہے نہ یہ امت بے امام ہوتی اور نہ علماء مورد الزام ٹھہرتے' فرقہ وارانہ مزاج نے علماء کو محدود دائرے میں محصور کر دیا اور وہ اعلیٰ سماجی اور مثالی سیاسی کردار نظروں سے اوجھل ہوگیا جو اصل میں علماء کے شایان شان تھا' اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کی ایک معقول تعداد نے سماجی و سیاسی کردار کے حوالے سے بڑی ذمہ داری کا ثبوت دیا لیکن اس سے کہیں بڑی تعداد نے اس جانب توجہ نہیں دی' یوں صلاحیتوں کا ایک بڑا حصہ امت کی ہدایت کی بجائے گروہی عصبیت میں کھپ گیا' اجتماعی امور میں اجتماعیت کا تصور ہی چل سکتا ہے گروہی ترجیحات وقت کی دھول بن کر رہ جاتی ہیں جو کسی راہی کو گمراہ تو کر سکتی ہے نشان منزل نہیں دکھلا سکتی۔

نصاب تعلیم

علماء کے اجتماعی کردار سکیڑنے میں مدارس میں رائج نصاب تعلیم کا بھی خاصا دخل ہے' ہمیں زیادہ قطعیت اور تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں کہ الجزائر' مصر' عراق اور انڈونیشیا کے دینی اداروں میں کون سا نصاب پڑھایا جاتا ہے لیکن بر صغیر پاک و ہند میں جو "درس نظامی" رائج ہے' اس سے ہم کسی قدر آگاہ اور واقف ہیں' یہ نصاب جس دور میں مرتب ہوا' اس دور کے رجحانات اور اس عہد کی ترجیحات کے عین مطابق ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس زمانے میں دنیا "گلوبل ولیج" نہیں بنی تھی' اس خطے کے لئے جو کچھ سیاست و ریاست'

اور مذہب و معاشرت کے لئے درکار تھا وہ درس نظامی مہیا کر رہا تھا لیکن اب اسے پوری طرح نچوڑ بھی لیا جائے تو ایک آدھ لب تر ہو سکتا ہے کسی کی تشنگی نہیں بجھ سکتی۔

ابتدائی فنی کتب (صرف' نحو' منطق) کو چھوڑ کر منتہی کتب میں سے جو حصہ اور جس ترتیب سے پڑھایا جاتا ہے اس سے واعظ' خطیب' روایتی مفتی اور مدرس تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن عمرانی مسائل سے کماحقہ واقفیت' مجتہدانہ بصیرت' شرعی قوانین و احکام کا عصری تغیرات اور ضروریات پر اطلاق و انطباق دینی فکر کی روشنی مغرب کے تہذیبی و عمرانی فلسفے کا ابطال اور عصری مصالح سے آگہی جیسی خوبیاں اس طریق تعلیم سے قطعاً" پیدا نہیں ہوتیں' مثلاً" فقہ کی تدریس میں طہارت' وضو' نکاح' طلاق اور کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کے آداب تو پوری تفصیل اور تحقیق کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں لیکن جہاں سے حدود و معاملات کا باب شروع ہوتا ہے وہاں سے سر سری گزر جانے پر اکتفا کیا جاتا ہے' بہت کم لوگ ان امور میں رسوخ اور ممارست پیدا کر پاتے ہیں' آخر یہی فقہ تھی جو مختلف ملکوں میں پبلک لاء کے طور پر نافذ رہی' آئمہ اربعہ نے اجتہادی بصیرت کے ذریعے حالات کی نبض پر ہاتھ رکھا' اور دین کی تمام علتوں اور مصلحتوں کو خوب واضح کیا تب جا کر یہ فقہ ریاستی دستور العمل کا درجہ پانے میں کامیاب ہوئی' اور ایک لحاظ سے فول پروف فقہی نظام رائج ہوا' لیکن آج مشکل سے کوئی ایک آدھ آدمی ملے گا جو مجتہدانہ بصیرت' اور تحقیق شان کے ساتھ ان احکام کے قالب میں روح عصر کو سمو سکے' ورنہ جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے ترجمے کو کافی سمجھ لیا گیا ہے' اور اس کی گردان کو فقہی بصیرت کا نام دے دیا گیا ہے' یہی صورت دورہ حدیث کی ہے' وہاں بھی صرف جزئیات اور ابتدائی باتوں پر سارا زور صرف کر کے سال گزارا جاتا ہے' حالانکہ اس وقت ضرورت بے خدا تہذیب کے مقابلے میں خدا پرست تہذیب کے قیام کی ہے' تقلید مغرب میں قائم سیاسی نظام کی جگہ الٰہی اور نظام کی جگہ الٰہی اور نبوی نظام کے برپا کرنے کی ہے' اخلاق باختہ سوسائٹی کا دوبارہ مکارم اخلاق سے آراستہ کرنے کی ہے' شکوک و شبہات میں گھری ہوئی انسانیت کو پھر سے ذوق یقین عطا کرنے کی ہے' سیرت نبوی کی روشنی میں زندگی کی راہیں متعین کرنے کی ہے' معاشی نظام کو سود' استحصال' بے قید نجی ملکیت' جاگیرداری اور مہاجنی صنعت سے پاک بنیادوں پر کھڑا کرنے کی ہے' اور فکری ارتداد اور عملی نفاق کے مقابلے میں پھر سے ایمان کی لہر اٹھانے اور عرفان کی بہار لانے کی ہے یہ سب ضروریات اور ان کے تقاضے احادیث رسول ﷺ اور اسوہ پیغمبر ﷺ میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی توجہ دینے کی تکلیف گوارا نہیں کی جاتی پورا دورہ حدیث فنی بحث و تمحیص پر مشتمل اور فقہی معرکہ آرائی پر مرتکز رہتا ہے' غار حرا میں اترنے والے پہلے الٰہی پیغام سے لے کر تکمیل دین اور سوا چار کلو میٹر سے آغاز کرنے والی مدنی حکومت کے ساٹھ لاکھ مربع میل تک پھیلے جانے والے عالمی اسلامی ریاست کے سارے مراحل احادیث و سیرت کی کتابوں میں درج ہیں' لیکن ان پر پورے سال میں شاید ہی ایک دن بحث ہوئی ہو' عہد نبوی میں بیاسی کے قریب بڑی جنگیں لڑی گئیں' ان جنگوں کی وجوہ' حکمتوں' ضرورتوں' اور افادتیوں پر شاید ایک بھی لیکچر نہ ہوتا ہو' آغاز نبوت میں چار لوگ مسلمان ہوئے' دارارقم میں پہنچ کر پینتالیس ہوگئے' شعب ابی طالب میں بیاسی بن گئے' ہجرت کے وقت ایک سو پندرہ تھے' غزوہ بدر میں تین سو تیرہ جان نثار تھے میدان احد پر ایک ہزار خدا پرست کھڑے تھے' صلح حدیبیہ کا قافلہ چودہ سو مجاہدین پر مشتمل تھا' فتح مکہ کے تاریخی موقع پر دس ہزار قدسیوں کا لشکر تھا' غزوہ حنین میں بارہ ہزار سرفروش تھے' جیش العسرہ (تبوک) میں چالیس ہزار صحابہ سربکف تھے' خطبہ حجتہ الوداع کے سامعین کی تعداد ستر ہزار تھی اور حضور ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایک

لاکھ چوبیس ہزار کی جماعت صحابہ چھوڑی' یہ مرحلہ بہ مرحلہ ارتقاء احادیث و سیرت کی کتابوں میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے' لیکن اس پر پورے آٹھ سالہ درس نظامی پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی' ہجرت کیا ہے؟ اس سے اسلام اور اہل اسلام کو کیا فوائد حاصل ہوئے؟ تاریخ پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ آئندہ سیاسی تحریکوں میں اس سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ ہجرت نے کس طرح ایک نئی اسلامی قومیت کا تصور راسخ کیا؟ وغیرہ اس پر دوران تدریس کوئی بحث نہیں ہوتی؟ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی پالیسی' عہد نبوت میں سفارتی پالیسی' معاہدات نبوی' علیٰ ہذالقیاس اسی طرح سارے عملی' معاشرتی اور سیاسی و سفارتی مسائل بہت کم توجہ کے مستحق سمجھے جاتے ہیں' یہ سب کچھ درس نظامی کے نصاب میں موجود ہے لیکن جس ترتیب اور ترجیح کے ساتھ اسے پڑھایا جاتا ہے اس سے تھوڑی بہت فنی قابلیت اور مہارت تو حاصل ہو جاتی ہے اجتماعی بصیرت' سیاسی درک اور انقلابی عرفان نصیب نہیں ہوتا' احادیث کی جملہ شروح میں ابتدائی مسائل پر سارا زور قلم صرف ہو چکا ہوتا ہے زندگی کے ان اہم اور بنیادی مسائل کے لئے بہت تھوڑی فکری قوت جا کر بچتی ہے اس لئے یہاں طائرانہ نظر سے کام چلایا جاتا ہے' جب کہ یہی ابواب اور مباحث زیادہ توجہ'تفصیل'تحقیق'بصیرت اور حکمت کے طالب ہوتے ہیں' یہی سلوک مدارس میں قرآن مجید کے ساتھ برتا جاتا ہے' وہ کتاب جو نصاب انقلاب ہے' جو نور مبین ہے' جس کا بیان واضح اور محکم ہے' جو خدائی حکمتوں کا مرقع ہے' جو دستور حیات ہے' جو بندوں پر اللہ کی آخری برہان اور حق و باطل کے لئے قطعی میزان ہے' اسی چشمہ فیض سے زندگیاں بدلیں' نئی تہذیب نے جنم لیا' اسلامی ریاست نے قرار پایا' قیامت تک کے لئے آخری ہدایت اور حجت اسی کتاب کے لئے خاص کر دی گئی۔

اس قدر اہمیت کے باوجود درس نظامی میں قرآن مجید کے لئے کوئی خاص گوشہ اور وقت مختص نہیں صرف دو تفاسیر جلالین اور بیضاوی پڑھائی جاتی ہیں جن سے قرآن مجید کے نحوی اور صرفی پہلو تو کسی حد تک سمجھ میں آجاتے ہوں گے لیکن قرآن حکیم کے الہامی و انقلابی اور سیاسی و معاشرتی اور اخلاقی و عملی پہلو قطعاً" سامنے نہیں آتے' جلالین تفسیر تو ہے لیکن متن قرآن سے بھی مختصر' اسی طرح بیضاوی فنی مباحث کا مجموعہ ہے' اسے پڑھ کر نہ زندگی حرارت آشنا ہوتی ہے اور نہ رخ حیات پر کوئی نکھار آتا ہے' قرآن جو فکر کی سلامتی' عقائد کی درستگی' اخلاق کی استواری اور معاملات کی اصلاح چاہتا ہے یہ باتیں کم ازکم جلالین اور بیضاوی میں موجود نہیں' اگر کوئی مدرس کامل اور صاحب ایقان ہو تو سچی بات یہ ہے کہ وہ کوئی تفسیر سامنے رکھے بغیر قرآن ذہنوں اور دلوں میں اتار سکتا ہے اور قرآن خود بول کر اپنا مفہوم اور مدعا واضح کر دیتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ مجھے لوح محفوظ سے کیوں اتار گیا؟ قلب محمد ﷺ پر میرا نزول کیوں ہوا؟ میری ایک ایک آیت میں کتنے جہان معانی پوشیدہ ہیں؟ میرا ایک ایک حرف جریدہ عالم پر ثبت رہنے کے قابل کیوں ہے؟ میری تلاوت اور تعلیم کیوں ضروری ہے؟ میں نے "ضلال مبین" کے ماحول کو "نور مبین" میں کیسے بدل دیا؟ اور میرے اتارنے والے نے مجھے آخر حجت بنا کر کیوں اتارا؟ یہ سب کچھ خود قرآن مجید بتا دیتا ہے بشرطیکہ کوئی اس کا سچا سامع ہو اور کوئی اس کا صاحب نظر مفسر ہو۔

حالانکہ قدیم اور جدید تفاسیر میں ایسی کتب موجود ہیں جنہیں پڑھ کر قرآن مجید کے الہامی کتاب اور انقلابی نصاب ہونے کا یقین آجاتا ہے لیکن درس نظامی کا حصہ اس لئے نہیں بن سکتیں کہ ایک تو ملا نظام الدین مرحوم کا مرتبہ نصاب حرف آخر ہے اور دوسرے ایسی تفسیری کتابوں سے فرقہ وارانہ مزاج کی تسکین نہیں ہوتی اور نہ ایسے مباحث ان کتابوں میں ملتے ہیں' چنانچہ جو طالب علم اس طرح کے طرز تعلیم سے گزر کر

بعد کو عالم بنے گا وہ یقیناً" ایک رخا کردار تو ادا کر دے گا جامع کردار ادا کرنا اس کے بس سے باہر ہو گا' اور علماء کا اجتماعی کردار سکڑ جانے کا ایک باعث یہ بھی ہے۔

فردعات میں غیر معمولی انہاک

علماء کے عمومی اور اجتماعی کردار سکڑ جانے کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے ایک اور سبب کو بھی شامل کیا جائے گا اور وہ ہے علماء کرام کا فروعی مسائل میں غیر معمولی انہماک۔

فردعات کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہوتی ہے لیکن جتنی فردعات کی ہونی چاہئے انہیں اساسیات کی طرح قابل توجہ سمجھنا دینی مصالح کے خلاف ہے' ایک صحت مند اور مریض آدمی کی خوراک جس طرح مختلف ہوتی ہے اور وہی غذائی چارٹ عین قرین مصلحت اور مطابق حکمت ہوتا ہے' اسی طرح دینی حوالے سے معاشرے اور عصری ماحول پر نظر ڈالتے ہوئے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس وقت کرنے والا کام کون سا ہے؟ صلاحیتوں کا خراج کون سا میدان مانگ رہا ہے؟ اور لوگ کس موڑ پر کھڑے راہنمائی کے طالب نظر آتے ہیں؟ ذہن پر بہت زیادہ زور دیئے بغیر بھی یہ حقائق سامنے آجاتے ہیں کہ اس وقت پوری دنیا مغربی تہذیب کی چکاچوند سے چندھیائی ہوئی ہے' مادیت کے طلسم میں گرفتار ہے' بے یقینی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے' آخرت کی جوابدہی کا تصور دھندلا کر رہ گیا ہے مذہب کا وجود لوگوں کے لئے بارگراں بن رہا ہے' نظام حکومت خدا اور رسول کے باغیوں کے ہاتھ یرغمال ہو چکا ہے' سیاست جلب منفعت اور حصول قوت کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے معیشت کا ایک ایک ریشہ سود اور استحصال کے نظام میں الجھا ہوا ہے' بنیادی انسانی اخلاق اور اقدار قصہ پارینہ کے درجے میں پہنچ رہے ہیں' فساد بر و بحر کے ہر کنارے تک پھیل چکا ہے' اور نئی نسل ایک نیا مگر منفی جنم لے رہی ہے' حالات اگر یہ ہوں اور حقائق اگر اس قدر تلخ ہوں تو ایسے میں ہر عالم دین کو اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچنا چاہئے کہ اس وقت نور بشر کا مسئلہ اٹھانے کی کتنی ضرورت ہے؟ اور اس پر کتابیں لکھنے اور مناظروں کا میدان سجانے کی کیا افادیت ہے؟ جبکہ اس وقت مسئلہ یہ درپیش ہے کہ لوگ ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت لینے کے بجائے دوسرے سرچشموں اور نفس کے وسوسوں سے رہنمائی دحاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ رفع الیدین اور آمین بالجہر ثابت کرنے کے لئے لٹریچر کی بھرمار آخر کون سی بنیادی اور اجتماعی ضرورت کو پورا کر رہی ہے؟ جبکہ صورت یہ ہے کہ مسجدیں نمازیوں سے خالی ہوتی جارہی ہیں ایک بار مسجدوں کو نمازیوں سے بھر لینے دیں پھر دل کی بھڑاس نکال لیجئے۔

اسی طرح علم اور تعزیہ کو ضروریات دین میں شامل کرنے اور دن رات اس کی تبلیغ کرنے سے امت کا کیا بھلا ہو رہا ہے؟ جبکہ آج دنیا میں پورے دین کا علم اور ارباب دین کا بھرم سرنگوں اور زبوں ہو رہا ہے۔

یہی حال دیگر فقہی جزئیات میں بے پناہ دلچسپی اور شغف کا ہے' جین اور جوگر کلچر عروج پر ہے اور علماء کرام شلوار اور تہمد کے پائنچے ناپنے میں لگے ہوئے ہیں' ہالیوڈ کی تہذیب اپنی انتہاء پر ہے اور علماء کرام چہرے اور ہاتھ کے پردے پر سینکڑوں صفحے خرچ کر رہے ہیں' تہذیب مغرب میں خدا اور رسول ؐ کا نام لینا جرم ہو رہا ہے اور علماء کرام عمامے کا پیچ و خم درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں یورپ پر اپنے ثقافتی طائفے لے کر اسلامی تہذیب پر ٹوٹا پڑ رہا ہے اور یہاں علماء متعہ اور حلالہ کی بحث سے فراغت نہیں پا رہے اور کوے کی حلت و حرمت اور گھوڑے کی قربانی پر "بیش بہا" لٹریچر مرتب فرما رہے ہیں' اصل بات یہ ہے کہ جو کام اسلامی ریاست کے وجود میں آجانے کے بعد کرنے کا تھا وہ پہلے ہو رہا ہے اور جو کام پہلے کرنے کا تھا غالباً" اسے اس وقت تک موخر کر دیا گیا ہے کہ جب وہ وقت آئے گا تو اس کام کی ضرورت ہی نہیں

رہے گی' جو کچھ سپین میں عیسائی مناظروں نے رنگ دکھایا اور جو کچھ بغداد کے مباحثوں نے حادثہ کرایا لگتا ہے ہم اسے بھول چکے ہیں حالانکہ اگر مناظرے کے موضوعات وہی ہوں گے تو یقیناً" حادثات بھی ویسے ہی رونما ہوں گے۔

فتووں کا فراخدلانہ اجراء

رجال دین کی طرف سے فتووں کے فراخدلانہ اجراء نے بھی اس خلیج کو اور زیادہ گہرا اور وسیع کیا ہے جو اس وقت عوام اور علماء کے درمیان ہے' حالانکہ علماء سے بڑھ کر اس سے زیادہ کون واقف ہو سکتا ہے کہ اسلام کا مزاج فتویٰ نہیں بلکہ تقویٰ ہے' فروغ اسلام میں کسی دور میں بھی کسی مفتی کے فتوے نے کردار ادا نہیں کیا بلکہ صلحاء اور صوفیاء کے تقوے نے کردار ادا کیا ہے اس حقیقت کو جاننے کے باوجود علماء کرام اپنے "ذوق فتویٰ" پر قابو نہیں پا سکے۔

ہمارے نزدیک ــــــ فتویٰ ــــــ ایک ماہرانہ قانونی رائے کا نام ہے جس طرح عدالت زیر سماعت مقدمے اور تصفیہ طلب امور میں اٹارنی جنرل' ایڈووکیٹ جنرل یا کسی ماہر قانون یعنی وکیل سے رائے طلب کرتی ہے اسی طرح اسلامی ریاست میں علماء سے کسی مسئلہ میں رائے طلب کی جاتی تھی اور یہی رائے فتویٰ کہلاتی تھی اور آج بھی فقہی و شرعی امور میں عدالتیں ماہرین فقہ اور علماء سے آراء (یعنی فتویٰ) لیتی ہیں اور عدالتیں ان آراء اور فتووں کا بے حد احترام کرتی اور انہیں کے مطابق زیادہ تر فیصلے صادر کرتی ہیں۔

لیکن ہمارے ہاں فتووں کا زیادہ تر زور مسلکی مخالفین یا اور چھوٹے چھوٹے مسائل پر رہتا ہے فلاں دائرہ اسلام سے خارج ہے' فلاں کا نکاح باطل ہو گیا' فلاں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی' فلاں واجب القتل ہے' فلاں کافر ہے وغیرہ

فتووں کی اس کثرت نے فتوے کا وقار اور بھرم مجروح کیا ہے' ڈرامے کے کسی سین پر فتویٰ' اخباری بیان پر فتویٰ' کسی مظاہرے پر فتویٰ' کسی فرعی نوعیت کے مسئلے پر فتویٰ' اس طرز عمل سے لوگوں کے اندر ایک خاص تاثر ابھرا ہے جو بہرحال علماء کرام کے حق میں مثبت نہیں' ہم یہ نہیں کہتے کہ باطل کی گرفت نہ کی جائے' لغویات کا نوٹس نہ لیا جائے' منکرات پر نہ ٹوکا جائے' یہ سب کچھ ہو لیکن تھوک کے حساب سے نہیں بلکہ ٹھونک بجا کر! تاکہ الفاظ و حروف کا وزن باقی رہے۔

قادیانیوں کے خلاف مہم چلی' پارلیمنٹ میں مسئلہ زیر بحث آیا' علماء کرام نے وہاں دلائل کا انبار لگا حق ادا کر دیا' قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے' آج کوئی انتہائی مخبوط الحواس اور اباحیت زدہ شخص تو اس فیصلے سے اختلاف یا انحراف کرے گا ورنہ قادیانی مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اصل حقیقت کیا تھی؟ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ بات صحیح فورم پر پہنچی اور صحیح طریقے سے اس پر بحث ہوئی' جس چیز کا جو مقام ہے اسے وہیں پر رکھا جائے تو وہ موثر ہوتی ہے آئے روز اخبارات میں علماء کرام کے فتوے درج ہوتے ہیں' جو بہرحال اچھا تاثر نہیں چھوڑتے' ہم یہ جسارت تو نہیں کریں گے کہ علماء کے ایک دوسرے کے بارے میں فتووں کا ریکارڈ پیش کر دیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاید ہی دوسرے مکتب فکر کا کوئی عالم بچا ہو جو کسی نہ کسی فتوے کی زد میں نہ آیا ہو' بریلوی حضرات کے دیوبندیوں کے خلاف' دیوبندیوں کے بریلویوں کے خلاف' مقلدین کے غیر مقلدین کے خلاف اور اہلحدیثوں کے حنفیوں کے خلاف' اور اسی طرح شیعہ حضرات کے سنیوں کے بارے میں سخت فتوے اور حضرات اہل سنت کے اہل تشیع کے خلاف سنگین فتوے' یہ سب کچھ کتابوں میں موجود ہے' اس سے ایک خاص فضا نبی ہے جس نے علماء کرام کے بارے میں دھند کو بڑھاوا دیا ہے اور پورا ماحول مکدر ہوا ہے' لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ علماء کے فقر و فاقہ' ان کی استقامت دینی' باطل کے مقابلے میں مزاحمتی رویے اور ایسے ہی دیگر اوصاف کا تو دبے

لہجے میں ذکر کریں گے ایسی ویسی بات ہاتھ آجائے تو اُسے کونھوں پر چڑھادیں گے لیکن علماء کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی ویسی بات نہ کریں کہ قائدانہ منصب پر فائز لوگوں کا لب و لہجہ تک نوٹ کیا جاتا ہے اور کیا جانا چاہئے کیونکہ رہنماؤں ہی نے لوگوں کو طرز گفتار اور اطوار سکھانا ہوتے ہیں۔

داعیانہ اسلوب کے بجائے مناظرانہ روش

دین بنیادی طور پر دعوت کا نام ہے اور دعوت اپنی آغوش میں ہمدردی' خیر خواہی' نصیحت برداشت اور محبت کو پرورش دیتی ہے۔

اگر کوئی پوچھے کہ دنیا میں سب سے مشکل کام کون سا ہے تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ دعوت کا کام اس لئے کہ دعوت دماغ نچوڑنے' ہڈیاں جلانے اور ہڈیوں کا گودا گھلانے کا کام ہے' کوئی انبیاء کرام اور مصلحین امت سے پوچھے کہ دعوت انسان کو کس کس زہرہ گداز اور جگر پاش مرحلے سے گزارتی ہے۔ دعوت کے اجزائے ترکیبی میں ضبط نفس' فراخ حوصلگی' صبر و ثبات' قوت برداشت' سلامتی ذہن و فکر اور جگر سوزی شامل ہیں۔

داعی کبھی تھڑدلا نہیں ہوتا' داعی بے حوصلہ نہیں ہوتا' داعی چڑچڑا نہیں ہوتا' داعی بدخواہ نہیں ہوتا' داعی کم نگاہ نہیں ہوتا اور داعی طالب جاہ نہیں ہوتا' داعی کو زندگی کا ہر لمحہ پل صراط پر سے گزر کر بسر کرنا ہوتا ہے' ذرا سا افراط اور معمولی سی تفریط داعی کو غیر متوازن بناکر اپنے مدعو اور مقصد سے بہت دور لے جاتی ہے' علماء کرام وارثان نبوت ہونے کے ناتے داعی کا مقام رکھتے ہیں اس لئے انہیں ہر فرد کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ دلسوزی' دردمندی' اور خیر خواہی کے جذبات سے معمور اور تلخ کلامی اور سخت بیانی سے اتنا ہی دور اور نفوذ ہونا چاہئے کیونکہ داعی اپنی منزل کہکشاں سے ہو کر نہیں کانٹوں اور پتھروں سے گزر کر حاصل کرتا ہے' دارارقم' صحن حرم' شعب ابی طالب اور طائف یہ داعی کی منزل کے سنگ ہائے میل ہیں' داعی کسی چٹان سے سر نہیں پھوڑتا جوئے رواں کی طرح اپنا رخ موڑتا اور راستہ بناتا ہے' حضور ﷺ کو کسی جنگ میں مال غنیمت کے طور پر پانچ سو سرخ اونٹوں کا حاصل ہو جانا اتنا عزیز نہیں تھا جس قدر کہ ایک غیر مسلم کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا پسند تھا' بدقسمتی سے برصغیر پاک و ہند میں ایک دور ایسا گزرا ہے جب دینی حلقوں میں مناظرہ بہت مرغوب ہو چکا تھا' اس عہد کی یادگار ابھی تک مٹی نہیں اور اس نفسیات کا تسلسل قائم ہے اہل نظر کہتے ہیں کہ جدال سے حسن مقال بہرحال متاثر ہوتا ہے اور مباحثے سے مطالبے الٹا زور پکڑ جاتے ہیں' کہیں مناظرہ ناگزیر ہو بھی تو "قول احسن" اور "قول لین" کا سہارا لینا چاہئے' چیلنج' تحدی' فتویٰ' الزام' دوسرے کی تذلیل اور اس کی آرزوے شکست سے ہدایت اور قبولیت کی راہ مسدود نہیں تو محدود ضرور ہو جاتی ہے۔

عیسائیوں' ہندوؤں' قادیانیوں وغیرہ سے مناظرہ ہو تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اہل اسلام کا جزئی مسائل پر ایک دوسرے کے دوبدو ہونا ناقابل فہم سی بات ہے اور موضوع بھی وہی پامال اور از کار رفتہ کہ نماز کے دوران ہاتھ سینے پر باندھا جائے یا ناف پر' آٹھ تراویح' نماز جنازہ کے بعد دعا ہونی چاہئے یا نہیں؟ آغاز مناظرہ تو ان مسائل سے ہوتا ہے لیکن انجام امت کے لئے مصائب پر ہوتا ہے' انہی مناظروں کے نتیجے میں ایسے لٹریچر کا طومار بندھا ہے جس سے دین و دنیا کا تو کوئی فائدہ نہیں ہوا البتہ لوگوں کے دینی حلقوں کے بارے میں شکوک و شبہات میں اضافہ ہوا ہے علمی بحث اور تحقیقی مذاکرہ اور چیز ہے اور فن مناظرہ بالکل دوسری چیز' اول الذکر سے ذوق مطالعہ بڑھتا ہے جبکہ ثانی الذکر سے صرف سماجی مقاطعہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

لوگوں نے جب علماء کو ہمہ وقت ان مسائل میں الجھا ہوا اور سرگرداں پایا تو انہوں نے نہ صرف یہ سوچا بلکہ طے کیا کہ جن سے آج تک فردعی مسائل حل نہیں ہوئے ان سے دنیا کے عمومی مسائل کیسے حل ہوں گے؟ جو فقہی تعبیر میں تطبیق پیدا نہیں کر سکے' وہ زندگی کی تفسیر کیا کر سکیں گے؟ دلیل ایک ایسی ہیرے کی کنی ہے جو پتھر کا جگر چیر دیتی ہے لیکن مناظرہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا سرا آج تک کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔

علماء کرام اگر داعی کا کردار اپنائیں گے تو انہیں ہر فرد و بشر اپنا مدعو نظر آئے گا اور ہر مدعو محبت' اپنائیت' رحم اور ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے' مدعو کو جھنکا نہیں جاتا جھڑ کا نہیں جاتا' اور اسے ٹوکا نہیں جاتا' اسے بلایا جاتا ہے' پاس بٹھایا جاتا ہے اور دلیل اور پیار کے ساتھ سمجھایا جاتا ہے' تبلیغ و دعوت کوئی ذاتی مسئلہ تو نہیں ہے کہ آدمی ذاتیات پر اتر آئے' یہ تو الٰہی فریضہ ہے جسے صرف اس نیت اور حرص سے ادا کیا جاتا ہے کہ شاید موجب مغفرت بن جائے قیامت کے روز کسی داعی کو اس کا اجر تو ضرور ملے گا کہ اس نے اپنے حسن کلام' ذاتی ایثار اور اچھے کردار سے کتنے لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی لیکن اس کا کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا کہ داعی نے اپنے بھڑ کیلے مزاج' غصیلے انداز اور کٹھیلے الفاظ سے کتنے لوگوں کو دھتکارا اور دور بھگایا تھا' اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے فرض کیا ان میں سے کوئی بھی چیز علماء کرام کے ذمے نہیں لگتی لیکن اجتماعیات میں ان کا کردار سکڑ کیوں گیا ہے؟ یہ سوال پھر بھی باقی ہے' اس سوال کا جواب کسی ایک گروہ کے عالم کے ذمے نہیں بلکہ علمائے امت کے ذمے ہے کہ وہ خود تجزیہ کر کے بتائیں کہ ڈور کا سرا کہاں الجھ رہا اور معاشرے اور علماء کا باہمی رابطہ کہاں کٹ رہا ہے؟

گذشتہ کل بھی امت کے والی و نگران علماء تھے آج بھی علماء کو ہونا چاہئے اور آئندہ کل بھی یہ اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے' تو انہیں اپنے فرض منصبی کے حوالے سے ضرور غور کرنا چاہئے کہ ان کی رہنمائی کے حوالے سے دنیا دگرگوں اور تاروں کی گردش تیز کیوں ہو رہی ہے؟ متاع دین و دانش اگر بیچ بازار لٹ رہی ہے تو کس کافرادا کے غمزۂ خوں ریز کا کرشمہ ہے؟ عجم کے لالہ زار وہی ہیں لیکن کوئی رومی کیوں نہیں اٹھ رہا؟ خاک بغداد شیخ جیلانی اور امام غزالی کو کیوں ترس رہی ہے؟ ایران کی آب وگل وہی ہے لیکن کوئی رازی کیون نمودار نہیں ہو رہا؟

اگر مسئلہ کسی دیرینہ بیماری اور دل کی ناصحکمی کا ہے تو پھر اس کے لئے آب نشاط انگیز بھی علماء کو ڈھونڈھنا پڑے گا۔

آخر وہ لوگ کہاں جائیں گے جو آج بھی جادہ حق پر چلنا چاہتے ہیں' وہ دائیں دیکھتے ہیں تو پورے ہجوم میں انہیں کوئی رہبر نہیں ملتا اور بائیں دیکھتے ہیں تو لشکر شکستہ صف میں ذوق سفر محسوس نہیں ہوتا۔

یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا

(بشکریہ ہفتہ روزہ تسخیر)

باتیں ان کی خوشبو جوشبو

مشاہدات کے سلسلے میں ارشاد فرمایا: کہ جس قدر بھی کرامات ہیں یا خرق عادات ہیں یہ عملِ صالح کا ثمرہ اور پھل ہوتے ہیں، صوفی صالح بھی ہو، ساتھ مجاہدہ اور ریاضت بھی ہو، صوفیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جسے کچھ نظر نہ آئے، دنیا میں محنت کی مزدوری مل گئی، ثمرہ مل گیا تو میدان قیامت کے لیے کچھ باقی نہ رہا اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائے جس شخص سے کوئی چیز صادر نہیں ہوئی اس کی ساری کی ساری مزدوری خواہ بینک میں جمع کرادے یا مالک کے پاس جمع رہتے ضرورت کے وقت استعمال ہو سکتی ہے۔

برکات نبوی اور منافقت

مولانا اکرم اعوان

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں چند لوگ ایک چھوٹی سی بستی مدینہ منورہ میں ریاست اسلامی کی بنیاد رکھتے ہیں باقاعدہ فوج نہیں ہے کوئی باقاعدہ اسلحہ نہیں ہے کوئی باقاعدہ خزانے کا اہتمام اور آمدن کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کوئی بھی سسٹم ابھی تک باقاعدہ اسٹیبلش نہیں ہوا لیکن جب وہ چند بندے کہیں جمع ہوتے ہیں ملتے ہیں بیٹھتے ہیں تو ان کی فکر یہ ہوتی ہے کہ دنیائے کفر کے سب سے بڑے بڑے ستونوں کو کیسے گرایا جائے قیصر کو کس طرح اس کے ظلم سے روکا جائے اور کسریٰ جو کفر کی پناہ گاہ بنا ہوا ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کی جائے فلسفہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہم بات کرتے ہیں تو اپنے ملک میں جو اسلامی ریاست کہلاتا ہے جس میں مسلمان بستے ہیں جس کے حاکم مسلمان ہیں رعیت مسلمان ہے اور اسلامی ریاست کہلاتا ہے اسلام کے نام پر وجود میں آیا اگر یہاں بات کی جائے کہ کافرانہ نظام نہیں ہونا چاہئے نظام اسلامی ہونا چاہئے تو ناممکن ہی نہیں بلکہ اکثریت ہمیں پاگل کہتی ہے بے وقوف کہتی ہے مجنون کہتی ہے اور آج کا دانشور یہ کہتا ہے کہ ایسا کہنے والا قوم کو چودہ صدیاں پیچھے لے جانا چاہتے ہیں جب کہ قوم کو مزید ترقی کرنی چاہئے عقیدے کو مذہب کو ایمان کو ترقی کی راہ میں روکاوٹ سمجھا جاتا ہے پھر اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ چلو ہم میں اتنی جرات نہ ہو روس یا امریکہ کی بات کریں اس دور کے قیصر و کسریٰ کی بات کریں لیکن اپنے گھر کی، اپنی ذات کی اپنے وجود کی اپنے ملک کی اپنی قوم کی اپنی بات تو کر سکتے ہیں قرآن حکیم اس کا جواب بھی بڑے خوبصورت اور بے تکلف انداز میں عطا فرماتا ہے

صحابی وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی رفاقت کے لئے چن لیا ان کے خمیر میں ان کے مزاج میں ان کی تخلیق میں وہ استعداد قادر مطلق نے رکھ دی جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے غلاموں کی ہونی چاہئے مدینہ منورہ کے فضائل لکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ قیام فرمانا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسی جگہ کو پسند فرما لینا اس کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں رہتی فضلیت مدینہ منورہ کے لئے لیکن ایک بات اور بھی عجیب ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث کے مطابق جہاں کوئی دفن ہوتا ہے تخلیق کے وقت جو بنیادی مادہ بنتا ہے جو اس کا بنتا ہے وجود کا مادہ اس کے ذرات جہاں سے لئے جاتے ہیں وہ جگہ اس کا مدفن یا قبر بنتی ہے تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی دوسرا شہر ایسا نہیں ہے جہاں اتنے زیادہ کثیر تعداد میں صحابہ دفن ہوئے ہوں جتنے مدینہ منورہ میں ہیں تو گویا مدینے کی مٹی اللہ کو اتنی پسند تھی کہ رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی بنیادی اساس جو ہے وہ مدینہ منورہ کی مٹی سے لی گئی باقی دنیا میں بھی صحابہ کرام ہندوستان میں ہیں چین میں ہیں امریکہ افریقہ اندلس اور دنیا کے ہر ملک میں پہنچے لیکن کہیں ایک کہیں دو کہیں دس مدینہ منورہ تو وہ جگہ ہے کہ جس کا ذرہ ذرہ ان کے انوارات سے منور ہے تو اسے انہوں نے فضائل مدینہ منورہ میں لکھا ہے یعنی مزاجاً" خمیراً" ہی وہ لوگ اس پائے کے بنائے گئے تھے وہ الگ بات برکات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کا روبرو حاصل کرنا یہ ایک الگ کمال ہے

حکمران پاکستان کے گزرے ہیں اگر انہیں ایک قطار میں کھڑا کیا جائے تو ذاتی کردار کے لحاظ سے وہ شخص ولی اللہ نظر آتا ہے اس کا اپنا کردار اس کی ذات کے لئے ہے اس کی نمازیں اس کی ذات کے لئے ہیں اس کی نیکی اس کی شرافت اس کی ذات کے لئے ہے یحییٰ خان کا شراب اس کے ذات کے لئے ہے ایوب خان کی عیاشیاں اس کے اپنے وجود کے لئے ہیں بھٹو صاحب کے نعرے اس کی اپنی ذات کے لئے ضیاالحق کی نمازیں اس کی اپنی ذات کے لئے لیکن دین حق سے اور مسلمان قوم سے کسی نے بھی وفا نہیں کی۔ شاید آپ کو یاد نہ ہو مجھے یاد ہے ہماری قوم بڑی زود فراموش ہے لیکن مجھے یاد ہے جنرل صاحب نے جب ریفرنڈم کرایا تھا تو سوال یہ تھا کہ کیا آپ دین کا نفاذ چاہتے ہیں اگر آپ ہاں پر ٹک کریں گے تو میں پانچ سال کے لئے صدر منتخب ہو جاؤں گا اور دین نافذ کروں گا سوال یہ نہیں تھا اس میں کہ کیا آپ مجھے صدر مانتے ہیں یا نہیں سوال یہ تھا کہ کیا آپ ملک پر شاید مجھے الفاظ یاد نہ رہے ہوں لیکن مفہوم یہی تھا کہ آپ ملک پر دین کا نفاذ چاہتے ہیں تو آپ Yes یا ہاں کے خانے میں ٹک کر دیجئے اور اپ کے ہاں کے خانے میں ٹک کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ میں مذید پانچ سال کے لئے صدر منتخب ہو جاؤں گا اور میری ذمہ داری ہوگی کہ میں ملک میں دین نافذ کروں لیکن جب ریفرنڈم ہو گیا تو پھر تو کسی نے اس بات کو دہرایا ہی نہیں حالانکہ ریفرنڈم کہ آپ مجھے مزید پانچ سال کے لئے صدر قبول کرتے ہیں یا نہیں ہاں یا نہ نیچے لکھ دیں جو ہاں کرتا ہے وہ قبول کرتا ہے جو نہ لکھدے وہ نہیں چاہتا لیکن ایسا نہیں تھا بلکہ سوال یہ تھا کہ کیا آپ ملک پر اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں اس کے حق میں ہیں اس کے بعد بھی تو کسی نے اسلام کا نام نہیں لیا اور عجیب بات یہ ہے کہ جو کچھ نافذ ہوا جسے دینی نفاذ کا نام دیا جاتا ہے وہ یہ ہوا کہ اسلامی تاریخ میں پہلی دفعہ ایک طبقہ ایسا بھی سامنے آیا جس پر زکوٰۃ واجب نہیں اور وہ مسلمان بھی ہے پہلی دفعہ دین کا ایک رکن جو ہے اسے ہم نے اڑا دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کے بعد جو مصائب در پیش آئے مسلمان کو سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ فرما جانا صحابہ کے لئے اتنا عظیم حادثہ تھا کہ شاید وہ قیامت کو بھی کچھ نہ سمجھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رخ روشن دیکھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مجلس میں بیٹھنے کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا میں اور آپ چاہیں بھی تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ پھر اس کے ساتھ قیصر کی فوجیں دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔ مسیلم کذاب نے چالیس ہزار کا لشکر جرار تیار کر لیا اس نے کہا میں نبی ہوں یہ محاذ اپنی جگہ پر اسود عنسی کا قتل ہوا وہ ایک کذاب تھا وہ فساد یمن کی طرف اپنی جگہ پر تھا چوتھا ایک معاملہ یہ پیش آگیا کہ کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ ہم مرکز کو زکوٰۃ نہیں دیں گے میرے علم کے مطابق ان کا انکار یہ نہیں تھا کہ ہم سرے سے زکواۃ کو دین کا رکن ہی نہیں سمجھتے انہوں نے انکار یہ کیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات موجود تھی تو ہم زکوٰۃ بھیج دیتے تھے مرکز کو اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صوابدید پر خرچ فرماتے تھے اب ہم نہیں دیں گے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیصر کے مقابلے میں فوج بھیجی مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں روانہ کی منکرین زکواۃ کے لئے لشکر تیار کر کے خود قیادت فرمائی قیصر کے مقابلے میں دوسرے کو امیر بنایا مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں دوسرے کو امیر بنایا منکرین زکوٰۃ کے مقابلے میں خود نکلے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی ہستی نے عرض کی کہ امیرالمومنین کلمہ پڑھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں مسلمان ہیں اگر یہ فی الوقت زکواۃ سے انکار کر رہے ہیں تو انہیں موخر کر دیا جائے پہلے ہمیں قیصر سے اور مسیلمہ کذاب سے نبٹ لینا چاہئے وہ بڑی مصیبتیں ہیں انہوں نے فرمایا تاریخ میں موجود ہے

اے عمر رضی اللہ عنہ کیا تم کفر میں دلیر تھے اور اسلام میں آکر تم بھی دلیری بھول گئے ہو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب تک ابوبکر زندہ ہے دین اسلام سے نہ کوئی نقطہ گھٹا سکے گا نہ اس میں کوئی ایک نقطہ بڑھا سکے گا قیصر ہمارا ملک روند ڈالے گا ہمیں قتل کر دے گا مسیلمہ ہم سے ریاست مدینہ چھین لے گا ہمیں تہہ تیغ کر لے گا ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں لیکن یہ جو زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں یہ دین اسلام کا ایک رکن ڈھانے کی تیاری کر رہے ہیں انہیں کیسے برداشت کر لیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے یہ ڈر ہو کہ میں اکیلا رہ جاؤں گا اور مجھے بھیڑئے کھائیں گے پھر بھی میں یہ سپاہ روانہ کروں گا اور خود قیادت فرمائی منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد ہوا اور نوک شمشیر انہیں مسخر کیا گیا یہاں اسلام کا نفاذ یہ ہوا کہ ایک فرقے کو آزادی دے دی گئی کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں اور یہ مسلمان بھی ہیں اور دوسروں سے زکوٰۃ لے کر اسے سیاسی رشوت کے طور پر استعمال کیا یعنی ایک طبقے سے زکوٰۃ معاف ہو گئی اور وہ مسلمان کے مسلمان بھی رہے اور دوسرے سے زکواۃ لے کر اس کے مصارف نہ بنائے گئے بلکہ وہ سیاسی رشوت کے طور پر تب سے اب تک ہر حکمران اور ہر حکومت اسے استعمال کر رہی ہے کیا ہم نہیں دیکھ رہے کہ وہ اپنے اس ووٹ حاصل کرنے کے لئے سیاسی رشوت کے طور پر تقسیم کی جاتی ہے کسی غریب کو کسی مستحق کو کسی شعبے میں ملتی ہے کہیں بھی نہیں اگر ہمارا کردار یہ ہے تو ہم کہہ تو سکتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن شاید میدان حشر میں راز کھلے گا کہ عنداللہ یہ قبول بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

ہماری وفاؤں کا امتحان یہ ہے کہ ہم اسلام ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اسلام ہی ہمارا سیاسی نظام ہو اسلام ہی ہمارا معاشی نظام ہو اسلام ہی ہمارا تعلیمی نظام ہو اسلام ہی ہمارا اوڑھنا بچھونا جینا مرنا ہر شعبہ زندگی میں اسلام ہو اور یہ کہنا کہ یہ چودہ سو سال پیچھے چلے جائیں گے یہ ایسی جہالت ہے جس کا کوئی جواب ہی نہیں ہے ان دانش وروں سے کہہ دو کہ چودہ سو سال پیچھے جاکر دیکھو آج جن قوموں کی تہذیب سے یا جن کی ترقی سے تم خوف زدہ ہو انہیں اس وقت THE WILD WEST (مغرب کے وحشی) کہا جاتا تھا جس یورپ سے آج تمہاری آنکھیں خیرہ ہیں ان کو THE CAVE MEN (غاروں میں رہنے والے) تاریخ لکھتی ہے انہیں تہذیب مسلمانوں نے سکھائی آج ان کی ترقی کا راز ان کے کردار میں نہیں ہے بلکہ ان باتوں میں ہے جو انہوں نے ریسرچ کر کے اسلامی فتوحات پر مسلمانوں سے سیکھیں آج اگر ان کی تجارت کے اصول ہیں تو وہ انہوں نے مسلمانوں سے لئے ورنہ ان کے اپنے اصول سوائے لوٹ مار کے کچھ نہ تھے آج کے جتنے نظام اسلام کے خلاف ہیں جن میں دولت و مرتکز ہو گئی ہے چند ہاتھوں میں اور ملک کا بچہ بچہ غریب ہو گیا ہے۔ امریکہ کا پورا معاشی نظام الٹ گیا ہے اب ہر آدمی جو نوکری کرتا ہے جو لوگ امریکہ جاتے ہیں رہتے ہیں ان سے پوچھ لیں وہ ایک ہفتہ پہلے سود پر اپنا ادھار بنک سے لیتا ہے وہ کھاتا ہے اور ہفتہ نوکری کرنے کے بعد اس کی تنخواہ بنک کو چلی جاتی ہے یعنی کھا کر مزدوری کرنے جاتا ہے دنیا میں لوگ مزدوری کر کے کھاتے ہیں اور ساٹھ فیصد سے زیادہ لوگ نیویارک جیسے شہر میں بھی فٹ پاتھ پر سوتے ہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی یہاں سے جو لوگ جاتے ہیں ان میں بیشتر ٹیکسی چلاتے ہیں پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور روزانہ کم و بیش اٹھارہ گھنٹے نارمل روٹین میں ٹیکسی چلاتے ہیں ایسے بھی ہیں جو بہتر بہتر گھنٹے سٹیرنگ پر گزارتے ہیں تب جا کر انہیں کچھ مزدوری ملتی ہے بہتر گھنٹے ایک آدمی ایک گاڑی کے سٹیرنگ پہ گزار دیتا ہے تب جا کر وہ اپنے لئے کھانا اور ٹیکسی والے مالک کو دینے کے لئے پیسے بچاتا ہے اتنی ٹف لائف ہو گئی ہے اس معاشی نظام کی وجہ سے ان کا دوسرا نظام جنس کی آزادی ہے اسلامی نظام کو ٹھکرا دیا تھا اب جنس کے

معاملے میں وہ وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ان کا اپنا دانش ور کہتا ہے کہ ہم چاہیں تو ہم واپس نہیں آسکتے تباہ ہو گئے ہیں اس آگن میں وہ تڑپتے ہیں وہ چیختے ہیں چلاتے ہیں لیکن ان کے پاس علاج نہیں ہے۔

ہمارے پاس علاج ہے اور وہی جو اس ابدی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

تعالو یستغفرلکم رسول اللہ۔

واپس آجاؤ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے اللہ سے بخشش چاہے گا جو کر چکے ہو اسے بھول جاؤ واپس آجاؤ میرے کچھ دوست پوچھ رہے تھے ہمیں بتائیں ہم کیا کریں میرے بھائی پہلے تو خود کو واپس لاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کم از کم اپنے وجود پر اسلام نافذ کرو اپنی مزدوری دیانت داری سے کرو اپنی ملازمت حلال طریقے سے کرو اپنی معاش جائز طریقے سے کماؤ اور اپنی ضروریات کے لئے اس طرح ٹائم ٹیبل بناؤ کہ حلال کے اندر رہیں زیادہ کماؤ اچھا کھاؤ لیکن حلال ہو اور اگر حلال کم پڑتا ہو تو بھوکے سو جاؤ حرام کو مت دیکھو اپنے وجود پر اسلام کو نافذ کرو اور اس پر بس نہیں کر دو بلکہ اس ملک پر نافذ کرنے کی سعی مسلسل جہد مسلسل کرتے رہو اسے دنیا پر کامیاب کرنے کی آرزو میں مر جاؤ خواہ نہ ہو سکے تم نے اپنا حق ادا کر دیا دنیا میں ہو گا وہ جو اللہ کو منظور ہے لیکن ہم مکلف ہیں اس بات کے کہ اپنی ہر ہر بات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کریں اور اپنی ہر آرزو جینے کی آرزو سے پہلے لے جائیں یہ آرزو کی دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو ہماری زندگی ہماری محبتیں ہمارے پیار ہماری اولاد ہمارا مال ہماری جان یہ دوسرے درجے میں آجائے اور نفاذ اسلام کی تڑپ جو ہے وہ اس سے بھی آگے چلی جائے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے اور اللہ ہمیں منافقوں کے زمرے میں کبھی شامل نہ کرے خلوص کے ساتھ نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رشتہ ایمان جوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سلام

مولانا ریختو پٹولوی اویسی نقشبندی

سب حال اپنا پیش خیرالا نام کہنا
بطحی کے جانے والے! ان سے سلام کہنا
کہنا فراق، دل پر نشتر چلا رہا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے
انکا خیال کیا کیا منظر دکھا رہا ہے
اک حال آرہا ہے، اک حال جا رہا ہے
بے چینی سے گذرتے ہیں صبح شام کہنا
حاجی! تجھے مبارک آقا کا آستانہ
کہنا تو ان سے اپنا یہ دکھ بھرا افسانہ
مسلم کا ہند میں اب کوئی نہیں ٹھکانہ
آشوب دھر کا میں کب تک ہوں نشانہ
دشوار زندگی ہے خیرالانام کہنا
شجنوں ہے رات میں تو، دن میں ہزاروں آفت
محفوظ اب نہیں ہے، مسلم کی جان و عزت
کہنا کہ عار کا ہے باعث یہاں شرافت
رشوت نے یوں مٹا دی اب ہند سے صداقت
لیتا نہیں کوئی بھی اب اس کا نام کہنا
اے رھر و مدینہ! جب داخل حرم ہو
یوں عرض حال میرا، پیش شہ امم ہو
کہنا کہ ریختہ پر للہ اب کرم ہو
بیمار غم کے دل کی کچھ بیقراری کم ہو
اذن حضوری دیدو خیر الانام کہنا

صفارہ اکیڈمی منارہ ضلع چکوال
داخلہ جماعت ہشتم سیشن 1997ء

تحریری امتحان: 20 فروری 1997ء جمعرات دو بجے سہ پہر

انٹرویو: 21 فروری 1997ء جمعۃ المبارک آٹھ بجے صبح

صفارہ اکیڈمی کی چند خصوصیات

1 راولپنڈی بورڈ سے منظور شدہ۔
2 مروجہ نصاب کے علاوہ دینی تعلیم سے آراستہ تعلیم و تربیت۔
3 قومی ایوارڈ یافتہ قاری کے زیر نگرانی تجوید و قران کا بندوبست۔
4 پچھلے نو سال سے راولپنڈی بورڈ میں متواتر سو فیصد نتائج کا حامل منفرد ادارہ۔
5 بورڈ کی پہلی تین پوزیشنوں میں ہر سال پوزیشن لینے کا اعزاز۔
6 اعلیٰ تعلیمی معیار کے اعتراف میں "نیشنل ایوارڈ" کا اعزاز۔
7 اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اساتذہ۔
8 روحانی اور جسمانی تربیت کا خصوصی انتظام۔
9 فوجی خطوط پر استوار نظم و ضبط۔
10 مارشل آرٹس اور کھیلوں کی لازمی تربیت۔
11 ہاسٹل کی سہولت۔
12 کوالیفائڈ ایم بی بی ایس ڈاکٹر کی ہمہ وقت موجودگی۔

نوٹ: 1 رات کے قیام کے لئے 5 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت کے مطابق بستر ہمراہ ہو۔
2 المرشد کے قارئین سے گزارش ہے کہ اس اشتہار کو زیادہ سے زیادہ مشتہر کریں۔

احسان

مولانا محمد اکرم اعوان

نہ کسی اعداد و شمار سے سمجھا جا سکتا ہے نہ انسانی شعور انسانی علوم اور انسانی استعداد کی اتنی رسائی ہے وہ خالق ہے اس کی ذات حدود سے بالاتر ہے اس کے صفات حدود سے بالاتر ہیں انسان مخلوق ہے اور اس کے سارے مراتب محاسن علوم قابلیت استعداد مخلوق ہے محدود ہے محدود غیر محدود کو نہیں پا سکتا جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے احسانات کی نشان دہی فرمائی جس طرح خود اس نے اپنے احسانات گنوائے کتاب اللہ میں تو یوں ان احسانات کا تذکرہ ان احسانات کی یاد جنہیں کہیں رحمت سے پکارا گیا ہے کہیں احسان کا نام دیا گیا ہے کہیں کرم کا کہیں الا اللہ کا ان احسانات کی یاد ہمارے لئے منزل کی تعین کرتی ہے ہمیں ہمارا پتہ دیتی ہے اگر کسی نے خود کو پہنچان لیا۔

من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ

اپنی ذات کو پہنچان لیا تو اس نے اپنے پروردگار کو پہنچان لیا اس کی ذات کا ہر پہلو اس کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے ہم شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ نفس لگ گیا یہ بڑی مصیبت ہے ہمارے لئے یہ ہماری ضروریات یہ ہمارا پیٹ بھوک افلاس یہ بڑی مصیبت ہے ہمیں کھانے کی احتیاج نہ ہوتی گرمی و سردی کے اثر سے ہم مستثنیٰ قرار دئے جاتے یہ ضرورتیں ہمیں رسوانہ کرتیں یہ ساری وہ خواہشیں ہیں وہ شکوے ہیں وہ شکایتیں ہیں جو مخلوق کو اپنے اس خالق سے ہیں جس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں ہے اور جس نے ان تمام چیزوں میں پھر اس پر احسان فرمایا۔ اس کی ایسی بے شمار مخلوق ہے جسے یہ سب چیزیں یہ سب ضرورتیں یہ سب احتیاجات کبھی پریشان نہیں کرتیں

مثلاً" فرشتہ ہے اور بڑے مزے میں ہے اس کی تخلیق ہی نور سے ہے نوری مخلوق ہے صاف شفاف پاکیزہ نہ بھوک نہ پیاس نہ نیند کا ڈر نہ کسی کا خوف نہ کسی سے خطرہ نہ ہونے کی فکر نہ جاگنے کا غم نہ بیوی کا اندیشہ نہ بچوں کا فکر نہ کسی کے مرنے والے کی جدائی کا دکھ نہ کسی پیدا ہونے والے پر کوئی خوشی بڑے مزے کی زندگی ہے لیکن یہ مزا اس وقت کرکرا ہو جاتا ہے جب ان ضروریات کے طوفانوں سے لڑتا ہوا انسان گزرتا ہے تو حجابات الوہیت کو چاک کرتا ہوا اللہ کے روبرو جاکر سجدہ ریز ہوتا ہے اس کی ذات کو روبرو پاتا ہے اور فرشتہ چوکداری کی حدود سے آگے نہیں جا سکتا اس گھڑی کا اندازہ کیجئے وہ خواہ عرصہ محشر میں ہو وہ عالم بالا میں ہو وہ جنت الفردوس میں ہو اس گھڑی کا اندازہ کیجئے کہ جب یہ مشت غبار تو روبرو رب کریم کو دیکھ رہا ہو اور فرشتہ یہ سوچ بھی نہ سکتا ہو کہ کبھی وہ جمال باری سے سیراب ہو سکتا ہے۔ یہ بہت بڑی عظیم نعمت ہے اور اللہ کریم نے کسی کے دل میں حسرت نہیں رہنے دی کل کوئی مخلوق یہ نہیں کہہ سکے گی کہ بارالٰہی تو نے یہ نعمت انسانوں کو عطا کر دی اور ہمیں اس سے محروم ہی رکھا ہمیں بھی عطا کرتا دنیا کی زندگی ہی کتنی تھی بارالٰہی پچیس تیس سال ہم بھی بامشقت گزار لیتے وقت ہی کتنا تھا بچپن تو والدین پر بوجھ بن کر گزر گیا بڑھاپا اولاد کے ذمے پڑ گیا اپنی تو زندگی ہی درمیان میں تھوڑی سی تھی اپنی ذمہ داری کا وقت ہی کتنا تھا وہ کوئی پچیس تیس سال تو وہ تو ہم بھی لڑ بھڑ کے گزار لیتے آج محض حکم کے بندے ہونے کی بجائے ہم بھی حاکم کے بندے ہوتے وہ یہ شکایت نہیں کر

سکیں گے اس لئے کہ اللہ نے اپنی ساری مخلوق پر یہ نعمت پیش فرمائی

انا عرضنا الامانتہ علی السموت والارض

ارض و سماء پر آسمانوں زمینوں میں کسی کو محروم نہیں رکھا ان کے سامنے یہ نعمت عظمی رکھی گئی فابین ان یحملنھا

انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگایا بار الہٰی ہم یہ جرات نہیں کر سکتے انسان نے اسے اٹھالیا انسان نے ذمہ داری قبول کر لی پھر خود ارشاد فرماتے ہیں

انہ کان ظلو گا جھولا

انسان غلطیاں بھی کرتا ہے نادان بھی ہے شاید ان کی طرح عقلمند ہوتا تو ڈر جاتا اس لئے اس کی نادانی کام آگئی ٹھوکریں کھانا بھی اس کی عادت ہے اس نے ٹھوکر کھالی ہوگئی اور نادانیاں بھی اس کی سرشت میں داخل ہیں جھولا" بھی ہے نادان بھی ہے شاید اس نے نادانی سے اس مصیبت کو گلے لگالیا ہو گا لیکن جتنی نعمتیں رب جلیل نے پیدا فرمائی ہیں جتنے انعامات مخلوق میں سے کوئی حاصل کر سکتا ہے جتنی بڑی سے بڑی نعمت کوئی مخلوق حاصل کر سکتی ہے وہ وہ ہے جسے انسان نے گلے لگالیا اور وہ ہے عشق الہٰی محبت الہٰی۔

اب جب یہ محبت الہٰی انسان کو بنیادی طور پر عطاکر دی گئی تو اس کے مزاج میں اس کا ایک خانہ بن گیا آپ انسانی تاریخ کو جہاں تک وہ دستیاب ہے پڑھ آیئے آپ کو انسانوں پہ ایسے زمانے ملیں گے کہ وہ تہذیب سے آشنا نہیں آپ کو انسانوں پہ ایسے ادوار ملیں گے کہ انہیں لباس کی تمیز نہیں ایسے لوگ اقوام عالم میں ملیں گے جنہیں کھانے پینے کی سدھ بدھ نہیں دنیا کی ہربات سے بے خبر ہو سکتے ہیں لیکن مذہب سے اور دین سے بے خبر نہیں ہوں گے کسی غیبی طاقت کے ساتھ رشتہ جوڑنے سے بے خبر نہیں ہوں گے ہر جنگل میں بسنے والا بھی تہذیب اور تعلیم سے دور بھٹکے ہوئے انسان بھی مذہب کے نام پر یا کسی غیبی قوت کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کرنے کے لئے کچھ رسومات ضرور ادا کرتے ہیں کیوں یہ ان کے مزاج میں ہے اور مزاج میں یہ جگہ ہے اللہ رب العزت کی اب اپنی نادانی سے کسی نے اس میں ارواح کو بٹھالیا کسی نے جنوں کو بٹھالیا کسی نے دیوی دیوتاؤں کو بٹھالیا کسی نے مال و دولت کو بٹھالیا کسی نے حاکم اور حکمران کو بٹھالیا اپنی امیدیں اس سے وابستہ کر لیں یہ طلب یہ آرزو دی اس لئے گئی تھی کتنا کریم ہے وہ جب انسان نے خود بڑھ کر مصیبت گلے لگائی اسے کیا ضرورت تھی کہ اس کے مزاج میں وہ خانہ بھی پیدا کر دیتا کتنا بڑا احسن ہے اس کا کہ اس نے مزاج میں وہ جگہ ہی بنادی کہ اس طلب کے بغیر تو نہیں رہ سکے گا اب انسان کو اتنی تو کم ازکم محنت کرنا چاہئے کہ جس غیبی قوت کو وہ اپنا محافظ سمجھ رہا ہے اس میں حفاظت کرنے کی استعداد ہے بھی یا نہیں اگر وہ روحوں کو سمجھتا ہے تو وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ روحیں کبھی تو دنیا میں جیتی بستی تھیں خود موت کا شکار ہوگئیں دنیا میں تھیں تو خود امراض کا شکار تھیں بھوک اور افلاس کا شکار تھیں حتی کہ سب سے بڑی مصیبت جو موت ہے اس کا شکار ہوگئیں پھر وہ اپنے لئے انہیں کیوں پوجتا ہے اور کسی مخلوق کو پوجا کرتا ہے تو اسے یہ خیال نہیں آتا کہ یہ مخلوق بھی میری طرح محتاج ہوگی جب مخلوق ہے تو احتیاج اس کی سرشت میں ہوگی کم ازکم اتنی سوچ تو اس میں ہونی چاہئے کہ اس کے مزاج میں ایک طلب رکھ دی گئی ہے وہاں اس کا نام لکھے جس نے وہ طلب پیدا کی ساری زندگی کا سب سے مشکل کام یہ ہے

ہم ہزاروں بھیس بدلتے ہیں بحثیت انسان پیر بنتے ہیں مولوی بنتے ہیں عالم بنتے ہیں دین دار بنتے ہیں نیک بنتے ہیں صوفی بنتے ہیں حاکم بنتے ہیں بادشاہ بنتے ہیں اور امیر بنتے ہیں عقل مند دانا بنتے ہیں ہم بے شمار بھیس بدلتے ہیں لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس ساری شاطرانہ زندگی میں ہم اس مقصد سے ہٹ جاتے ہیں جو زندگی کی حقیقی منزل ہے اگر اللہ توفیق دے اور

اپنی اس طلب کے خانے میں جہاں ہمیں یہ طلب ہے کہ میرے پاس کوئی طاقت ہو کوئی میری حفاظت کرنے والا ہو کوئی میری سفارش کرنے والا ہو کوئی میری ضرورتوں کا خیال رکھنے والا ہو ان ساری جستجو کو اگر ہم اللہ کے نام سے وابستہ کر لیں تو ہم نے زندگی کا کام کر لیا بات ختم ہوگئی ہم اپنی منزل کو پاگئے اب اس راہ میں والدین بھی ہوں گے ان کی محبتیں بھی ہوں گی پھر ان سے بچھڑنا بھی ہو گا اولاد بھی ہوگی اس کی محبت بھی ہوگی پھر اس کی طرف سے دکھ بھی آئیں گے زندگی کبھی خود وبال جان بن جائے گی بیماری آجائے گی افلاس آجائے گا غربت آجائے گی قید وبند کی مصیبتیں آجائیں گی پریشانیاں آجائیں گی یہ ساری کیا ہیں؟ یہ چھوٹے چھوٹے مزاق ہیں زندگی کے کوئی ان کی حیثیت نہیں ہے یہ چھوٹے چھوٹے شعبے ہیں زندگی کے اصل بات منزل کی ہے اگر منزل ایک ہے اور منزل کو پالیا ہجر و وصال کے قصے بھول جائے وصل ہی وصل ہے ہجر کا نام نہیں ہے محبت ہے پیار ہی پیار ہے کرم ہی کرم ہے کسی دکھ کسی تکلیف کا کوئی نام نہیں۔

بات صرف اتنی ہے ساری محنت کر کے سارا زور لگا کر اس بات کو پختہ تر کر لو کہ وہ جو خلا ہمارے مزاج میں ہے اسے صرف اور صرف اللہ کے روشن نام سے پر کر سکتے ہیں کہیں سے بات گھوم کر آئے اس کا حاصل اللہ کی ذات ہو اللہ کی رضا ہو اللہ کا قرب ہو بچے پال رہا ہے اللہ نے ذمہ داری دی ہے بیوی کا خیال رکھنا ہے اللہ نے مجھ پر یہ فرض کیا ہے والدین کی خدمت کر رہا ہے اللہ نے فرض کیا ہے کاروبار کر رہا ہے اللہ نے حکم دیا ہے حلال رزق کمانے کا کسی سے دوستی کر رہا ہے اللہ نے ایسے لوگوں سے دوستی کرنے کا حکم دیا ہے کسی سے ناراض ہے خفا ہے دشمن ہے دشمنی کرتا ہے میں نہیں کر رہا اللہ نے ان سے دشمنی کرنے کا حکم دیا ہے کسی سے تعلق جوڑتا ہے میں نہیں جوڑ رہا اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے کسی سے تعلق قطع کرتا ہے اللہ نے قطع کرنے کا حکم دیا ہے پھر زندگی میں تکلیف نام کی کوئی شے نہیں رہتی بلکہ یہ ایک سفر ہے سفر کا ہر قدم کبھی برابر نہیں ہوتا ہر قدم کبھی کنکر پہ پڑتا ہے کبھی کانٹے پہ کبھی اونچی جگہ اور کبھی نیچی جگہ اور کبھی خشک اور ریتلی زمین پر کبھی بہتے ہوئے پانیوں میں زندگی کا سفر جو ہے اس کا ہر قدم مختلف راستوں سے مختلف کیفیتوں سے مختلف حالتوں سے ہو کر گزرتا چلا جاتا ہے لیکن ہر قدم پر منزل کے قرب کا احساس بندے کو بشاش رکھتا ہے تھکنے نہیں دیتا منزل ہی متعین نہ ہو یا منزل غلط متعین کر لی ہو اس خانے میں اللہ کی جگہ کوئی اور نام لکھ لیا ہو یا پھر کچھ بھی نہ لکھا ہو تو زندگی محض ایک خرابہ بن جاتی ہے زندگی محض ایک پریشانی بن جاتی ہے زندگی محض دکھوں کا ایک پلندہ بن جاتی ہے روتے پیٹتے گزرتی ہے اور اللہ معاف کرے گزرتی نہیں بلکہ اگلی جب شروع ہوتی ہے پھر مزید رونا پیٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ زندگی ختم ہونے والی تو داستان نہیں ہے یہ ختم تو ہونے والا قصہ ہی نہیں ہے

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

جسے ہم خاتمہ سمجھ رہے ہیں وہ تو ابتدا ہے یہ تو راستہ تھا اسے قطع کر کے ہم اس سے کیا بچا کر لائے محبت الٰہی بچا کر لائے یا دنیا کی محبت بچا کر لائے یا عہدے اور دولت کی محبت کس کے لئے ہم جدوجہد کرتے رہے

اللہ کریم کا احسان ہوتا ہے جسے یہ نعمت عطا کر دے جانا تو ہے ہم ایک سفر میں ہیں اور ایک طرح سے دنیوی زندگی کے سفر کا آخری موڑ موت ہے وہ دروازہ ہے جس سے ہم برزخ کی زندگی میں داخل ہوتے ہیں اس زندگی سے اس میں قدم رکھتے ہیں دنیا دارالعمل ہے برزخ میں قدم رکھنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے ایک طرح سے دارالجزا شروع ہو جاتا ہے اگرچہ برزخ انتظار گاہ ہے عرصہ محشر تک اجر کا فیصلہ محشر میں ہو گا لیکن اس انتظار گاہ میں بھی جس درجے کا یا جس مزاج کا یا جس

طرح کا بندہ آتا ہے اسی طرح کا اس کے ساتھ سلوک ہوتا ہے تو ایک طرح سے یہ آخرت سے جڑا ہوا ہے زیادہ اثر اس پہ آخرت کا ہے دنیا میں حکمران تھا ہوا کرتے تہی دامن ہے تو وہاں تو اسے کوئی نہیں پوچھے گا دنیا میں کوئی اسے نہیں جانتا تھا مسکین تھا فقیر تھا لیکن دل محبت الٰہی سے بھر کر لایا تو وہاں کا تو وہ رئیس ہے۔

میں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا دنیا سے رخصت ہونے سے بہت عرصہ پہلے بات کرنا چھوٹ گئی تھی حتیٰ کہ پانی کا ایک گھونٹ بھی طلب فرماتے تو لکھ دیتے کسی چٹ پر بات نہیں کر سکتے تھے لیکن ذکر تو نہیں چھوٹا کیا یہ عجیب بات نہیں کہ وہ خود کسی کے لئے اہتمام فرما دے مجاہدے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک مجاہدہ ہوتا ہے اختیاری اپنی پسند سے بندہ کرتا ہے ایک ہوتا ہے اضطراری جو رب العلمین کراتا ہے وہ ہر ایک سے نہیں کراتا یہ اس کا ایک خاص احسان ہوتا ہے کہ کسی سے وہ جبراً کراتا ہے کہ تم ایسا کرو بھلا اسے کیا ضرورت تھی ضرورت تو بندے کی ہے غرض تو بندے کی ہے لیکن جب وہ احسان فرماتا ہے تو میں نے دیکھا حضرت رحمتہ اللہ علیہ مہینہ دو مہینے تک بات نہیں کر سکتے تھے بات کرنا پسند ہی نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ کھانے پینے کے لئے بھی چٹ لکھ کر دے دیا کرتے تھے لیکن ذکر تو نہیں رکا قلب بھی ذاکر تھا زبان بھی ذاکر تھی انگلیاں بھی حرکت کر رہی تھیں۔ یعنی سفر حیات کا اختتام اللہ کے نام پر ہوا مخلوق سے بات کر کے بھی نہیں گزرا

اور پھر میں نے اباجی کو دیکھا انہیں بات کرنا ناپسند ہوگئی تھی ڈیڑھ دو مہینے کوئی بات کرتا بھی تو ناگوار گزرتا ہمارا رواج ہے کو لوگ مریض سے ہی حال پوچھنا چاہتے ہیں اگر کوئی بار بار سوال کرتا کیا حالت ہے فرماتے اللہ کا شکر ہے آپ کیسے ہیں میں ٹھیک ہوں اس سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے پھر یہ بھی چھوڑ دی لیکن ذکر الحمدللہ نہیں چھوٹا بلکہ کل بھی اس قوت سے ذکر کر رہے تھے کہ چارپائی اور وہ بستر ہل رہا تھا انگلیاں بھی چل رہی تھیں اور منہ بھی ہل رہا تھا لب بھی ہل رہے تھے اور قلب اس زور سے چل رہا تھا کہ وہ بستر اس طرح ہلتا ہوا محسوس ہوتا تھا تو مجھے خیال گزرا میں نے کہا شاید اباجی اجتماع کا انتظار کر رہے ہیں دیکھو وہ مسبب الاسباب ہے کتنے لوگوں کو بھیج دیا ہمیں تو نہیں پتہ تھا ہم نے تو کسی کو نہیں بتایا کہ آج آؤ بھائی جنازہ پڑھنا ہے۔ پھر کئی مہینے پہلے کہنے لگے کہ مجھے دفن دارالعرفان میں کرنا زمیندار تھے زمینیں تھیں رشتہ دار تھے بیٹے تھے پوتے تھے کوٹھیاں تھیں کاریں تھیں گھر تھے خوبصورت سے خوبصورت وادی میں جگہ بنا سکتے تھے علاقے میں سب سے زیادہ زمین تو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہے لیکن ڈاکٹر نے کہا بھی ڈاکٹر رشید نے کہ باباجی دارالعرفان میں کیوں؟ یار وہاں ساتھی آتے جاتے رہیں گے ذکر ہوتا رہے گا تو یہ ہے زندگی کی منزل ایسے مسافر دور نہیں جاتے الگ نہیں ہوتے جدا نہیں ہوتے بلکہ مزید طلب پیدا کر جاتے ہیں کہ کاش ہم بھی اتنی جرات کر سکیں ہم بھی اللہ کا نام اس طرح سے اپنے لئے مختص کر سکیں یا خود کو اس کی طلب کے لئے اس طرح سے مختص کر سکیں کہ موت تو سارے علاقے ختم کر ہی دیتی ہے زندگی میں خود کو اس کی ذات کے لئے مختص کر لیا جائے

موتو قبل انت موتو بن جائے اور یہ اس کا احسان ہے کہ دنیا میں کس سے کتنی خدمت لیتا ہے اس نے اگر نفس دیا یہ اس کا کرم ہے مرض بھیجتا ہے یہ اس کی مہربانی ہے اگر ضرورتیں لگائی ہیں تو یہ اس کا انعام ہے یہ چھوٹی چھوٹی روکاوٹیں ضرورتیں لگائیں ہیں تو ضرورتیں پوری کر دیتا ہے صرف تھوڑا سا بندے کو دکھاتا ہے کہ تو محتاج ہے پوری تو کر دیتا ہے کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری نہیں ہوئی کس کو بغیر کھانے کے اس نے چھوڑ دیا کسی کو بغیر پینے کے چھوڑا ہر ایک کو ہر شے دیتا ہے تھوڑی سی احتیاج دیتا ہے کہیں اس میں کھو کر میری ذات سے بھٹک جاتا ہے یا اس سے گزر کر میری طرف آتا ہے بڑھتا چلا آتا ہے بات صرف سمجھنے کی شعور کی یا ایک

فکر کی ہے کہ ہم کس نظر سے کس انداز سے کس طریقے سے اس کو لیتے ہیں زندگی کے یہ زیر و بم زندگی کے یہ حادثے زندگی کی یہ روش گزرتی رہتی ہے اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے سامنے بڑی آزمائشیں آتی ہیں وہ بڑی آزمائش ہر ایک کو نہیں دیتا چھوٹی چھوٹی دیتا ہے اپنی ذات کی اپنے بچوں کی اپنے گھر کی اگر احسان فرمائے تو قوم کی فکر عطا کر دے دین کی فکر عطا کر دے احیائے اسلام کی فکر عطا کر دے تو یہ وہ انعام ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔ پتہ ہے دنیا میں سب سے بڑی سزا کیا ہے کسی کا ایمان سلب کر لے سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ ایک بندے کا ایمان ضائع ہو جائے وہ بد عقیدہ ہو جائے بے شک اسے حکومت مل جائے اسے تخت مل جائے اسے دولت مل جائے اگر ایمان نہ رہا تو بہت بڑی سزا پائی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی رحمت سے دور اور جہنم میں رہنا پڑتا ہے اور سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ کوئی اس کے دین کے بقا کے لئے کام آجائے سب سے بڑا انعام اس دنیا میں یہ ہے کہ کسی کو اپنے دین کے احیاء کے امتحان میں ڈال دے میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس دور کے مسلمان خوش قسمت ہیں ہمارے سامنے میدان ہے احد میں جب قریش مکہ نے پلٹ کر حملہ کر دیا اور اس طرح کا گھمسان رن بن گیا کہ پتہ نہیں چلتا تھا دوست دشمن کا آگے بھی کفار تھے پیچھے سے بھی کفار ان کے دونوں فوجیں مل گئیں اور وہ مسلمان ایک ایک دو دو کی ٹکڑیوں میں بٹ گئے اور گھر گئے کفار میں پھر کس نے یہ شور کر دیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام شہید ہو گئے تو ایک صحابی دوسرے کو آواز دے کر کہتا ہے کہ چھوڑ یار ان باتوں کو مجھے اس طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے ادھر کو بڑھ اور ادھر کو بڑھتے ہوئے شہید ہو گئے کیسی عجیب بات ہے کہ اسی زمین پر اس عالم آب و گل میں ان کے راستوں میں جنت پڑی ہے ان کی راہوں میں جنت بچھی ہے اور وہ محسوس کر رہے اور خوش بو آرہی ہے کہ یار ادھر آؤ اور جنت کی خوشبو آرہی ہے ادھر شہید ہو جاتے ہیں یہ زندگی کا سب سے بڑا انعام ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ نے ہم پر بھی بڑا احسان فرمایا کہ اس عہد کے اس مقام پر ہمیں لے آیا ہے جہاں پھر جنتیں راہوں میں پڑی ہیں آج پھر معرکہ حق و باطل عروج پر ہے بڑے بڑے جوان بچھڑ رہے ہیں بڑی بڑی باتیں بدل رہی ہیں

میں نے آج اخبار کی سرخیاں دیکھیں میں عمران خان کے بیان کی سرخی دیکھ رہا تھا کہ لوگ نظام سے نہیں لوگ ان دونوں پارٹیوں سے تھک چکے ہیں آج تک وہ اعلان کرتے تھے کہ یہ نظام بدلیں گے آج بیان تھا عمران خان کا کہ لوگ نظام سے نہیں لوگ ان دو بری پارٹیوں سے تھک چکے ہیں آج تک دعویٰ تھا کہ یہ نظام غیر اسلامی ہے اور اس میں انصاف نہیں ہے ظالمانہ ہے آج پینترا بدل گئے اس طرح سے ہمارے مسلم لیگ کے دوست اٹھتے ہیں دوسری جماعتوں کے دوست اٹھتے ہیں پیپلز پارٹی کے لوگ اٹھتے ہیں تو ساری دنیا نظام کو بچانے پہ متفق ہو جاتی ہے جو خود کو نہیں بچاسکتے وہ نظام کو بچانے چلے جن کے پاس اپنے تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہے اپنی زندگی پہ اختیار نہیں اور اپنی سانسوں کی جو ڈور ہے اس پہ کوئی قبضہ نہیں ہے اپنی حکومتوں میں اپنی پولیس سے اپنے بھائیوں کو نہیں بچاسکتے نظام کو بچانے چلے ہیں کچھ نہیں بچے گا نہ کسی کو بچائے بچے گا ہاں ایک امتحان گاہ ہے اور دین اللہ کا انعام ہے اور انعام مفت بھی دیا گیا تو کم از کم ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اس کے چاہنے والے طالب تو ہوں جو اٹھا کر باہر پھینکیں انہیں نہیں دیا جاتا کسی ایسے شخص کو کوئی چیز انعام دی جائے وہ اسے اٹھا کر گلی پر پھینک دے کوئی نہیں دیتا الحمد اللہ اس ملک میں دین کے چاہنے والے بھی ہیں اللہ ان کو انعام دے گا بھی اور اس ملک پر دین ہی کا نظام چلے گا کوئی نہیں روک سکتا اسے بات صرف یہ ہے کہ کون خوش قسمت یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں اس راہ میں کام آجاؤں بہت بڑی بات اور اللہ کا احسان ہے اللہ کرے یہ معرکہ حق و باطل ہماری قسمت

میں بھی ہو ہمیں نصیب ہو حق کا طرف دار بننا اس کے لئے قربان ہونا حق کی راہ میں جان دینا اور نہ صرف اس زمین پر اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی حکومت قائم ہو مومن کی صرف یہ زمین نہیں ہے۔

ہر ملک ما است کہ ملک خدائے ما است

بنی نوع انسان کو پھر ضرورت ہے ظلم سے نجات کی گمراہی سے نجات کی فرعونوں سے طاغوتوں سے نجات کی۔ جن پر وہ کرم کر دے گا اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم بھی ان جاں بازوں میں شامل ہو سکیں اس میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے نہ کسی سے ڈرنے کی بات ہے اور نہ کسی سے گھبرانے کی اور نہ یہ کسی سے چھپانے کی بات ہے یہ بڑی سیدھی بات ہے کہ کفر اپنی عمر طبعی پوری کر چکا ہے بہت کھل کھیلا بڑی اللہ کی مخلوق کو تباہ کیا اس نے بڑی دنیا کو رسوا کیا اس نے بڑی دنیا پر مظالم ڈھائے صرف اپنا اسلحہ بیچنے کی خاطر کروڑوں افراد کا لقمہ اجل بنا دیا گیا صرف اس لئے کہ اسلحہ بکتا رہے صرف اس لئے کہ اپنی فرعونیت قائم رہے کہاں سے اٹھا روس اور کہاں تک دنیا کو تاراج کیا آج دنیا کے ایک سو اڑتیس ممالک میں خانہ جنگی ہو رہی ہے جس میں سارا امریکی اسلحہ استعمال ہو رہا ہے کب تک آخر ہر بات کی ایک انتہا ہوتی ہے یہ ظلم بھی اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے انشاء اللہ بڑی صبح کے بتن سے [illegible] کے ساتھ ہمارے معاہدے کرنے کے بعد اللہ کریم نے پھر جہاد چھڑوا دیا اب نہ یاسر عرفات روک پا رہا ہے اور نہ امریکہ روک پا رہا ہے پھر لگ گئے یہ درد عشق اب ختم نہیں ہو گا یہ بڑھے گا یہ پھیلے گا دعا کریں کے اللہ توفیق دے اللہ ہمیں بھی قبول فرمائے اپنی ذات کے لئے اپنے دین کے لئے اور اللہ وہ سنہری دور دیکھنا نصیب فرمائے کہ اس کے دین کی حکومت ہو انصاف ہو عدل ہو ہر طرف آبادی ہو خوشی ہو مسرت ہو اللہ کے بندے صرف اللہ کے سامنے جھکیں اور کوئی دوسری طاقت انہیں اپنے سامنے جھکانے کی جرائت نہ کر سکے اور اللہ اللہ کو اس طرح حرز جاں بناؤ کہ زندگی کا ہر کام چھوٹ جائے اللہ اللہ

طرح حرز جاں بناؤ کہ زندگی کا ہر کام چھوٹ جائے اللہ اللہ چھوٹے یہی حقیقی کامیابی ہے

——— (حدیث خبّاب ﷛) : قیس بن ابی حازمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت خبابؓ کے پاس گیا، انھوں نے (کسی بیماری کی وجہ سے) اپنے پیٹ پر سات داغ لگوائے تھے۔ اس حالت میں مَیں نے ان کو کہتے سُنا : اگر نبی کریم ﷺ نے موت کی دعا مانگنے سے منع نہ فرما دیا ہوتا تو میں اس وقت موت کی دُعا ضرور مانگتا۔[1]

اخرجه البخاري في : كتاب ٨٠ الدعوات : باب ٣٠ الدعاء بالموت والحياة

باب ۵ : جو اللہ تعالیٰ سے مُلاقات کا خواہشمند ہو اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہو اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے

——— حدیث عبادۃ بن الصامت ﷛ : حضرت عبادہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا : جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا خواہشمند ہو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند فرماتا ہے اور جو اللہ تعالےٰ سے ملنا ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے ۔

اخرجه البخاري في : كتاب ٨١ الرقاق : باب ٤١ من احب لقاء الله احب الله لقاءه

عبرت یا فرعونیت

مولانا محمد اکرم اعوان

نبی نوع انسان کی تاریخ خود اس کے حالات کا تجزیہ اور کردار کے نتائج سے آگاہ کرتی رہتی ہے اور بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو تاریخ سے سبق حاصل کرتے ہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول ہے جس کا ترجمہ کچھ یوں بنتا ہے کہ دوسروں کے احوال دیکھ کر عبرت حاصل کرو اس سے پہلے کہ تمہیں دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں۔ تاریخ انسانی میں ایسے ایسے تاریک دور نظر آتے ہیں اتنے اتنے متکبر' ظالم' جابر' بظاہر طاقت ور' مال و دولت والے' شان و شوکت والے' حکومت' طاقت' اقتدار و اختیار والے لوگ نظر آتے ہیں کہ جنہوں نے نبی آدم ہوتے ہوئے اپنے خدا ہونے کا اعلان کر دیا اور اللہ کی مخلوق چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے انہیں خدا ماننے پر مجبور ہوگئی اس سے بڑی کسی طاقت کا اور کیا تصور ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جو دوسروں کے سامنے شکم مادر سے پیدا ہوا بچپن لڑکپن اسی طرح محتاجی میں گزارا جس طرح دوسرے بچوں کا گزرتا ہے صحت و بیماری اس کے ساتھ ویسی ہی ہے کھانے پینے کا محتاج ہے گرمی سردی اسے ستاتی ہے نیند اور غفلت کا شکار ہو جاتا ہے سارے عوارضات اس کے ساتھ موجود ہیں پھر وہ کہتا ہے۔

انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں اور اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ لوگوں کو ماننا پڑتا ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ کوئی جتنا بڑا سرکش ہوا ہے اپنے انجام تک یہ بتاتی ہے کہ کوئی جتنا بڑا سرکش ہوا ہے اپنے انجام تک پہنچنے میں اتنی ہی تیزی ہے اور جلدی چلا گیا ہے جتنا بڑا کوئی ظالم و جابر ہوا ہے اتنی ہی تیزی سے وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا ہے آپ دور کی تاریخ کو چھوڑ دیں برصغیر کی تاریخ دیکھ لیں انگریز کے جانے کے بعد کی تاریخ دیکھ لیں کتنے بڑے بڑے نام ہمارے سامنے آتے ہیں اپنے منطقی انجام تک پہنچنے میں انہیں کتنی دیر لگی۔ شیخ مجیب الرحمن ہو یا اندرا گاندھی یا ہمارے بھٹو صاحب ہوں۔ اپنے عہد کے ایسے لوگ جنہوں نے بین الاقوامی طور پر دنیا کو ہلا کر رکھ دیا جن کی گرفت حالات پر اتنی مضبوط تھی کہ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ حالات ہماری گرفت سے نکل سکتے ہیں جب پانسہ پلٹا تو گاندھی خاندان کا نام ہی مٹ گیا دو بیٹے تھے دونوں گئے راجیو گاندھی مارا گیا سنجے گاندھی ایکسیڈنٹ میں مر گیا اندرا گاندھی ماری گئی مجیب الرحمن کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی اور تین دن بعد کسی بوری میں ڈال کر ایک گڑھے میں پھینک دی گئی بے بسی کی موت بھٹو صاحب کا مقدر ہوئی کتنی عجیب بات ہے کہ جس شخص کی آواز پر بین الاقوامی سطح پر لوگوں کو خطرے کا احساس ہو گیا ہو اس کا کوئی جنازہ پڑھنے والا' کوئی آنسو بہانے والا نہ ہو

یہ سارا کیوں ہوتا ہے اور اس سارے کو دیکھ کر ہم عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے اپنی اپنی جگہ پر شخص اپنی خدائی کا دعوے دار بنا ہوا ہے ہر بندہ یہ چاہتا ہے کہ کوئی آدمی میری بات رد نہ کرے کوئی مجھے جواب دینے کی جرائت نہ کرے کوئی میری خواہش کے راستے میں دیوار نہ بنے میں جو چاہوں ساری مخلوق وہی کرے جو میں کہوں وہی مانا جائے تو اگر کوئی یہ اعلان نہ بھی کرے کہ مجھے خدا مانو لیکن اپنی منوانا چاہے تو اس کے اعلان کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے دل میں تو وہ اپنے اندر ایک فرعون ہی پال رہا ہے مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ نفس مارا کم تراز فرعون نیست لیک اور اعون سارا الون نیست

سجدے کئے جائیں اسے اپنی ہر حاجت کو پورا کرنے والا مانا جائے اسے اپنا معاون و مددگار مانا جائے اسے اپنا مقصد حیات مانا جائے اس کی رضا کے لئے ساری دنیا زندگی بھی قربان کرنی پڑے تو کی جائے اس کی رضامندی حاصل کی جائے یہ حق صرف اللہ کو ہے اللہ کے سوا کسی کو نہیں وہ اکیلا معبود ہے تم اگر یہ خواہش اپنے لئے پالو گے تو پھر تمہاری اصلاح ممکن نہیں ہے کوئی بھی شخص جس جگہ بھی ہے اگر وہ یہ چاہنے لگے گا کہ لوگ میرا حکم ہی مانیں میری اطاعت ہی کریں میری خواہشات ہی پوری ہوں ہر بندہ میرے ہی سامنے جھک جائے تو یہ فلسفہ بنیادی طور پر غلط ہے کہ یہ حق صرف اللہ کا ہے بندے سارے بندے ہیں بندے کو بندے سے منوانے کا حق اس حد

کہ کوئی جتنا بڑا سرکش ہوا ہے اپنے انجام تک پہنچنے میں اتنی ہی تیزی ہے اور جلدی چلا گیا ہے جتنا بڑا کوئی ظالم و جابر ہوا ہے اتنی ہی تیزی سے وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا ہے

کہ نفس ہمارا فرعون سے کم نہیں ہے فرعون کے پاس طاقت تھی ہم صرف خواہش کر سکتے ہیں ہمارے پاس طاقت نہیں لیکن چاہتے ہم بھی وہی ہیں جس طرح فرعون مخلوق کو اپنے آگے جھکانا چاہتا تھا ہم بھی اپنے آگے لوگوں کے سر جھکانے پہ تلے ہوئے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے طاقتور لوگوں کا انجام دیکھ کر ماوشما اور عام آدمی جس کی کوئی حیثیت نہیں وہ بھی عبرت حاصل نہیں کرتا اس کا جواب قرآن حکیم نے اس آیہ مبارکہ میں دیا ہے فرمایا پہلی بات تو بندے کو یہ سمجھ لینی چاہئے یہ بنیاد ہے اسلام کی دین کی انسانیت کی دنیا کی اور آخرت کی کہ الوہیت صرف اللہ کا حق ہے اس کا حکم بلا چون و چراں مانا جائے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اس کی بارگاہ میں

تک ہے جس حد تک وہ اللہ کی بات منوانا چاہتا ہے جہاں اس کی ذاتی رائے آگئی وہاں اس کا منوانے کا حق ختم ہوگیا۔ اب یہ بات تو طے ہے کہ معبود اکیلا ہے لیکن اس حقیقت کو لوگ اپنی زندگی میں عملی زندگی میں کیوں نہیں اپناتے قرآن اس کی وجہ یہ قرار دیتا ہے

فالذین لایومنون بالاخرۃ ان لوگوں کو قیامت کے حساب کتاب پہ یقین نہیں ہے انہیں قطعاً" اس بات پہ یقین نہیں ہے کہ جو ہم کہہ رہے ہیں یا جو ہم کر رہے ہیں اس کا محاسبہ بھی ہوگا اس کی پرشش ہوگی اس کردار کو جانچا اور پرکھا جائے گا اور یہ جو عدم یقین یا عدم ایمان بالاخرت ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے

قلوبھم منکرۃ یہ دلوں میں انکار بھر دیتا ہے زبان پر آئے نہ آئے دل میں انکار بھرا جاتا ہے زبان سے وہ خود کتنا خوش گفتار نظر آئے زبان سے وہ کتنا نیک اور صالح بنے بعض اوقات کروڑوں روپے خرچ کرتا ہے غریبوں میں بانٹتا ہے سیلاب آگیا دوائیاں بانٹ رہا ہے امداد دے رہا ہے لیکن یہ ساری باتیں اس نتیجے تک لے جاتی ہیں کہ لوگ مجھ لے بڑا کہیں لوگ مجھے سخی کہیں لوگ میری تعریف کریں لوگ مجھے مانیں لوگ میرے پیچھے چلیں لوگ مجھے ووٹ دیں لوگ میرے کام آئیں یعنی وہ کام جو انتہائی نیکی اور عبادت تھے کسی مجبور سے بھلائی کرنا کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنا کسی بیمار کا حال پوچھنا کسی غریب کو دوا پہنچانا یہ سارے وہ کام تھے جو انتہائی نیک تھے۔

بخاری شریف میں ایک واقعہ ملتا ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک عورت ایسی تھی جس کا کردار اچھا نہیں تھا لیکن اللہ نے اسے بخش دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے بخشش ہوگئی اس کی فرمایا وہ ایک کنویں کے پاس سے گزری تو وہاں ایک کتا پیاس سے تڑپ رہا تھا اور کیچڑ کو چاٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں اٹھنے کی سکت نہیں تھی تو اس نے دیکھا کہ پانی دس بارہ فٹ گہرائی میں تھا اس کے پاس کوئی چیز نہیں تھی اس نے اپنے دوپٹہ کے دو تین ٹکڑے بنا کر انہیں گانٹھ دے کر رسی بنائی اور پاؤں کا قیمتی جوتا اتار کر اس کے ساتھ رسی باندھی یوں کئی بار تھوڑا تھوڑا پانی نکال کر اس کتے کے منہ میں ڈالا جس سے اس کی جان بچ گئی رب کریم نے اس کے طفیل اس کے سارے گناہ معاف کر دئے۔

یعنی اگر ایک کتے کو پیاس سے مرنے سے بچانے پر وہ بخش دیتا ہے تو اتنے لوگوں کی مدد کرنے پر اور انسانوں کو بچانے پر اور سیلاب کی تباہ کاریوں میں مدد کرنے پر مفلس اور غریب کو کھانا پینا اور سامان دینے پر اور خیرات کرنے پر کیوں نہیں بخشتا۔ اب بخشش کا معیار کیا ہے کیسے پتہ چلے بڑا سادہ سا معیار ہے جن لوگوں کو وہ بخش دیتا ہے وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں کبھی اس کی اطاعت سے باہر نہیں جاتے نیکی کی توفیق عطا کر دینا یہ بخش دینے کی دلیل ہے جب ہم کردار دیکھتے ہیں تو وہی لوٹ مار جھوٹ فریب فراڈ وہی اپنی فرعونیت ہے اس کا مطلب ہے کہ یہ جو خیراتیں ہم کرتے ہیں یا یہ جو نیکیاں ہم کرتے ہیں ان میں بھی ہم لوگوں سے اپنا آپ منوانا چاہتے ہیں للھیت نہیں ہوتی اس لئے ہمارے کردار کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ دلوں میں مزید انکار بھر جاتا ہے جس کے دل میں انکار آجائے اس کی نشانی یہ ہے کہ

وھم مستکبرون وہ سرکش ہو جاتا ہے وہ احکام الٰہی کو عظمت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام کو فکر آخرت کو کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ہمارے معیار اپنے ہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس آدمی کا لباس اچھا ہے یا جس آدمی کے پاس گاڑی اچھی ہے یا گھر اچھا ہے وہ بڑا متکبر ہے بات یہ نہیں ہوتی کسی کو رزق حلال نصیب ہو اور وہ حلال سے کھائے پئے پہنے۔

اگلے دن ایک سوال آگیا اور سوال والے کی خواہش بھی یہی تھی کہ جواب المرشد میں آنا چاہئے تو چلو اس ضمن میں سوال بھی تھا اس میں میرا یہی جملہ اسرار التنزیل سے اٹھا کر لکھا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے در اقدس پہ تو فاقے ہوتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین اکثر مفلسی کی حالت میں رہتے تھے اور آپ نے لکھ دیا کہ رزق حلال سے اچھا کھانا اچھا پہننا اور اچھا مکان یا اچھی سواری جائز ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم نے صحابہ کرام کی وہ منظر کشی تو کی کہ جب وہ مفلس تھے جب انہیں ہجرتیں کرنا پڑیں گھر بار چھوڑنے پڑے فاقے کرنا پڑے لیکن بعد کے وہ حالات کس نے نہیں بتائے حالانکہ بتانے کے لائق وہ تھے کہ جب ایران اور قیصر اور کسریٰ جیسی سلطنتیں فتح ہوئیں اور مدینہ منورہ کے گلیوں میں سونے کا سیلاب آیا اور کروڑوں ایک ایک صحابی کو مال غنیمت میں سے حصہ ملا تو وہ کروڑ پتی ہو کر بھی مزاجا" ویسے ہی انسان تھے جیسے وہ فاقہ مستی میں تھے غربت اور مفلسی میں نیک رہنا آسان ہوتا ہے اور امارت کے ساتھ خوف خدا رکھنا اور نیک رہنا مشکل ہوتا ہے اور امارت کے ساتھ خوف خدا رکھنا اور نیک رہنا مشکل ہوتا ہے غربت میں تو بہت

کہ ہم نے صحابہ کرام کی وہ منظر کشی تو کی کہ جب وہ مفلس تھے جب انہیں ہجرتیں کرنا پڑیں گھر بار چھوڑنے پڑے فاقے کرنا پڑے لیکن بعد کے وہ حالات کس نے نہیں بتائے حالانکہ بتانے کے لائق وہ تھے کہ جب ایران اور قیصر اور کسریٰ جیسی سلطنتیں فتح ہوئیں اور مدینہ منورہ کے گلیوں میں سونے کا سیلاب آیا اور کروڑوں ایک ایک صحابی کو مال غنیمت میں سے حصہ ملا تو وہ کروڑ پتی ہو کر بھی مزاجا" ویسے ہی انسان تھے جیسے وہ فاقہ مستی میں تھے غربت اور مفلسی میں نیک رہنا آسان ہوتا ہے اور امارت کے ساتھ خوف خدا رکھنا اور نیک رہنا مشکل ہوتا ہے

خدا رکھنا اور نیک رہنا مشکل ہوتا ہے غربت میں تو بہت سے کام ایسے ہیں جو بندہ کر سکتا ہی نہیں غریب جو آٹا نہیں خرید سکتا ہے شراب خریدنے کہاں جائے گا غریب جو جوتی کپڑا نہیں خرید سکتا وہ عیاشی کرنے کہاں جائے گا غریب جو اپنا حق نہیں بچا سکتا کسی کا حق کیا دبائے گا لیکن جب اس کے پاس دولت آجاتی ہے یا اقتدار آجاتا ہے یا پیسہ ہوتا ہے تو اس وقت خوف خدا کا رکھنا اس وقت اسی حال میں جینا بڑا مشکل کام ہوتا ہے اور خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس زمانے میں بھی بے شمار دولت تھی اور بے پناہ دولت مند تھے اور بے شمار صحابہ ایسے تھے جن کے پاس دولت بھی تھی مال اور اموال بھی تھے اور پھر جب فتوحات آئیں تو یہ عالم تھا کہ ہر گھر بھر گیا تھا سونے چاندی سے۔ حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہما خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم رئیس آدمی تھے دولت مند لوگ تھے لیکن یہ ساری دولت ان سے وہ حسن ایمان وہ حسن عمل اور وہ حسن عقیدت نہ چھین سکی جو اس مفلسی میں انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی

تو پھر متکبر کون ہوتا ہے متکبر مالدار نہیں ہوتا متکبر ہوتا ہے جسے احکام الٰہی کے مقابلے میں اپنی رائے پہ اصرار ہو جو اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کرے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پرواہ نہ کرے اور اپنی بات منوانا چاہے فرمایا انکار آخرت اور دل کی سختی آخرت سے ایمان جب کمزور ہو جائے دل میں انکار آجاتا ہے اور کردار میں تکبر آجاتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم فرماتا ہے

لاجرم ان اللہ ما یسرون وما یعلنون لا جرم

کوئی بات نہیں کچھ نہیں بگڑنا اس لئے کہ بندہ پھر بندہ ہے اپنی حد سے آگے کچھ نہیں کر پائے گا اکڑے گا تکبر کرے گا تو بھی بندہ ہی رہے گا اور جب اللہ کی گرفت آئے گی تو بھاگ نہیں سکے گا۔ اس لئے کہ اللہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو انہوں نے

ظاہر کرتے ہیں اور ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو انہوں نے دلوں میں چھپا رکھی ہیں اور ایک بات طے ہے

انہ لایحب المستکبرین کہ وہ تکبر کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتا ان سے محبت نہیں کرتا انہیں پسند نہیں فرماتا

یہ ساری بات میں نے اس لئے عرض کی کہ کم ازکم اس ملک کا ہر شہری اب کسی انقلاب کی آمد کا منتظر ہے کسی مسیحا کے آنے کی راہ دیکھ رہا ہے کسی تبدیلی کا خواہش مند ہے جو مثبت ہو جس میں انسانوں کی جان و مال و آبرو کا تحفظ ہو جس میں انسانوں کو انسانی حقوق حاصل ہوں مسلمانوں کو مسلمان ہونے کا حق حاصل ہو۔ وبحیثیت مسلمان ان کے حقوق کا تحفظ

موسیٰ کے آنے سے ہمارے حصے میں سوائے ذلت و تباہی کے کیا آئے گا اگر کوئی ایسا انقلاب آیا بھی تو وہ ان خوش نصیبوں کے لئے ہوگا جو اللہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں ان کے لئے ہوگا جو توبہ کا راستہ اپنائیں گے ان کے لئے ہوگا جنہیں آخرت پر ایمان اور یقین ہوگا ان کے لئے ہوگا جو اپنی اصلاح کر لیں گے اگر خدا انخواستہ ہم اپنے اندر چھوٹے چھوٹے فرعون پالتے رہیں اپنی خواہشات پالتے رہیں لوگوں کو اپنے سامنے جھکانے کے منصوبے بناتے رہیں اپنی خدائی منوانے کی کوشش کرتے رہیں تو آنے والا موسیٰ شاید ہمارے لئے بھی موت کا پیغام لے کر آئے تباہی کا پیغام لے کر آئے اور یہ یاد رکھئے ایسا انقلاب جب بھی آیا جنہیں اللہ پسند نہیں کرتا انہیں

متکبر مالدار نہیں ہوتا متکبر وہ ہوتا ہے جسے احکام الٰہی کے مقابلے میں اپنی رائے پہ اصرار ہو جو اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کرے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پرواہ نہ کرے اور اپنی بات منوانا چاہے

ہو جو چوری ڈاکے عصمت دری سے تحفظ دلا سکے اور یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ایسا ہونے والا ہے اس لئے نہیں کہ میری خواہش ہے اس لئے نہیں کہ آپ کی آرزو ہے اس لئے نہیں کہ میری خواہش اس لئے نہیں کہ آپ کی آرزو ہے اس لئے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی پیش گوئیاں ہیں اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی فرمایا جس کی اللہ کریم نے خبر دی اب یہ کیسے ہو جائے گا ایک دم کہاں سے آئے گا یہ تو اسے پتہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پیدا کرتا ہے کیا خبر کس موسیٰ کو وہ کہاں پال رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ ایسی تبدیلی آئی بھی ہمیں کیا حاصل ہوگا اگر ہم اپنے اندر فرعون پال رہے ہیں اگر ہمارا وجود ہماری آرزوئیں ہماری خواہش فرعونیت کی حامل ہیں تو

کوئی بہتری نصیب نہیں ہوگی کہ

انہ لا یحب المستکبرین اکڑ خانوں کو وہ پسند نہیں کرتا سو تاریخ انسانی بتاتی ہے قانون فطرت کا تقاضا ہے۔

تلک الایام نداو الھابین الناس قانون فطرت ہے کہ دن پھرتے رہتے ہیں پہیئے کی طرح جو طرف نیچے ہوتی ہے وہ سدا نیچے نہیں رہتی جو سرا اوپر ہوتا ہے وہ ہمیشہ اوپر نہیں رہتا اوپر والے کو نیچے آنا ہوتا ہے نیچے والے کو اوپر جانا ہوتا ہے گردش ایام پہیئے کی طرح چلتی رہتی ہے عروج و زوال وہ کسی نے کہا تھا۔

سکون محال ہے قدرت کا کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

فطری عمل کا تقاضا ہے اگر برائی بلندیوں کو اور انتہا کو چھو رہی ہے تو پھر اس کا زوال ہو گا اسے نیچے آنا ہو گا اگر بھلائی اور شرافت انتہائی نچلی سطح تک گر گئی ہے تو اب اسے اوپر اٹھنا ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا ہونے والا ہے کہ ہم کس خانے میں جائیں گے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا کیا یہ ہمارے حق میں بہتر ہو گا ہاں یقیناً بہتر ہو گا اگر ہمارے دل میں نور ایمان ہے اگر ہمارے دل میں عظمت الہٰی ہے اگر ہمارا کردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق ادا کرتا ہے تو ہر آنے والی تبدیلی ہمارے لئے طلوع سحر کی مانند روشنیوں کا سیلاب لے کر آئے گی لیکن خدا نخواستہ اگر ہم اپنی عملی زندگی میں اپنی سوچ میں اپنی فکر میں اپنے کردار میں اپنے اندر

کے لئے ہے لباس کا استری ہونا اور اس کا صاف ہونا ہماری ظاہری شان و شوکت بڑھاتا ہے منہ کا لیپا پوتا ہونا یا دھولا دھلایا یا صاف ہونا اچھی بات ہے لیکن یہ ساری لیپا پوتی کر کے اگر اندر دل سخت ہو زندگی خوردہ ہو اس میں انکار بھرا ہوا ہو تو وہی مثل صادق آئے گی تاکہ

قبر چونے گچ مردہ دوزخی

پھر اس قبر پر چونا پھیرنے کا کیا فائدہ اس مردے کو اس سفیدی یا اس قبر کی شان و شوکت سے کیا حاصل جب وہ خود دوزخ میں ہے اگر دل میں انکار بھرا ہے تو میرا بھائی جتنا وقت ہم ظاہری نمائش پہ لگاتے ہیں کم از کم اس سے زیادہ وقت

> کم از کم اس ملک کا ہر شہری اب کسی انقلاب کی آمد کا منتظر ہے کسی مسیحا کے آنے کی راہ دیکھ رہا ہے کسی تبدیلی کا خواہش مند ہے جو مثبت ہو جس میں انسانوں کی جان و مال و آبرو کا تحفظ ہو جس میں انسانوں کو انسانی حقوق حاصل ہوں مسلمانوں کو مسلمان ہونے کا حق حاصل ہو۔ وبحیثیت مسلمان ان کے حقوق کا تحفظ ہو جو چوری ڈاکے عصمت دری سے تحفظ دلا سکے

چھوٹے چھوٹے فرعون پال رہے ہیں تو آنے والا موسیٰ ہر فرعون کو روندتا ہوا آئے گا فرعون چھوٹا ہو یا بڑا سب کا انجام ایک ہی جیسا ہو گا تو سب سے ضروری کام جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل کی سختی کا علاج کریں جب تک دلوں میں سختی ہے دلوں پر زنگ لگے ہوئے ہیں زنگ خوردہ دل جو ہے وہ محبت الہٰی کا امین نہیں ہو سکتا قرآن حکیم نے کفار کا یہ مرض بتایا متکبرین کا یہ مرض بتایا فرمایا کلا بل ران علی قلوبھم بات یہ ہے کہ ان کے دلوں کو زنگ لگ چکا ہے میرے بھائی جتنا ہم چہرہ چمکاتے ہیں جتنا ہم کپڑے صاف کرتے ہیں استری کرتے ہیں جتنا ہم جوتا پالش کرتے ہیں کیا اتنا ہم نے کبھی دل کو بھی پالش کرنے کی کوشش کی صرف اس لئے کہ جوتا ظاہری شان و شوکت

دل کی صفائی پہ لگانا ہو گا کردار کی اصلاح تب ہو گی جب دل کی اصلاح ہو گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لکل شی صقالتہ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے ہر چیز کو زنگ اتارا جاتا ہے ہر چیز کو صاف کیا جاتا ہے ہر چیز کو چمکا کر روشن کیا جاتا ہے اس طرح وصقالتہ القلوب ذکر اللہ اللہ کا ذکر دلوں کی پالش ہے زنگ اتار دیتی ہے روشن کر دیتی ہے انہیں چمکا دیتی ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ ہمیں توفیق دے اور ہم میں سے ہر مسلمان آنے والی تبدیلی کا استقبال کرنے والا ہو اس کا شکار نہ بنے اور یہ یاد رکھ لو کہ جہاں جہاں فرعونیت ہو گی تکبر ہو گا برائی ہو گی وہ اس آنے والی تباہی میں تباہ ہو گا اس کا

مقدر تباہی ہے اسے اللہ پسند نہیں فرماتا اور بڑی سے بڑی تبدیلی آنے کا استقبال کرنے والا انقلاب کا استقبال کرنے والا وہ اللہ کا بندہ ہو گا جو اللہ سے توبہ کر کے نبی علیہ السلام کی اطاعت کی فکر میں اپنے دل کی صفائی میں دل سے انکار کو دور کرنے کی فکر میں اپنا وقت بسر کرے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ موت ہم میں سے ہر ایک کے سر پہ کھڑی ہے اور ہمیں کوئی پتہ نہیں کونسا لمحہ زندگی کا آخری لمحہ ہو ہر لمحے کتنے لوگ ہمارا ساتھ چھوڑتے جا رہے ہیں دوست رشتہ دار عزیز بزرگ اور اب اگر میری عمر کے لوگ دیکھیں تو ہمیں اپنے ساتھ کے بہت کم لوگ نظر آتے ہیں جا چکے ہیں لوگ دنیا سے کیا خبر کب کون سی سانس ہماری آخری سانس ہو تو جو سانس بھی آخری سانس ہو کم از کم اس سانس میں اللہ کا نام تو ہو

جانور ہے وہ تو شریعت کا مکلف نہیں ہے یا دائمی کا جس کی ضرورت ہے ذکر الٰہی جس کی تعلق اللہ کی یاد کے لئے ہے اگر اس کی سانسیں بغیر اللہ کے نام کے آئیں جائیں تو وہ کیسے حلال ہو گا پرانے صوفیوں کا پنجابی کا ایک مقولہ ہے کہ

جو دم غافل سو دم کافر

کہ جس سانس میں ذکر الٰہی نہ ہو وہ تو انکار کی حالت میں گیا محرومی کی حالت میں گیا اللہ سے دوری کی حالت میں گیا اور عجیب بات ہے سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بڑی باقاعدگی سے بڑے منظم طریقے سے لوگوں کو اللہ کے ذکر کرنے سے منع کیا جاتا ہے روکا جاتا ہے یہ کیا کیا زمانہ آگیا ہے یار کوئی ایسا جرم ہوا ہے ہم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہوا ہے ہم سے اتنا کچھ

اللہ ہمیں توفیق دے اور ہم میں سے ہر مسلمان آنے والی تبدیلی کا استقبال کرنے والا ہو اس کا شکار نہ بنے اور یہ یاد رکھ لو کہ جہاں جہاں فرعونیت ہو گی تکبر ہو گا برائی ہو گی وہ اس آنے والی تباہی میں تباہ ہو گا اس کا مقدر تباہی ہے

میں دیکھ رہا تھا ایک کتاب اس میں پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات تھے مجھے کتاب کا نام یاد نہیں رہا حسب عادت مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی نے ان سے ذبح کا مسئلہ پوچھا کہ ذبح کرنے کا کیا قاعدہ ہے اس میں کیا کوتاہی رہ جائے تو جانور حرام ہو جاتا ہے تو فرمایا سادہ سی بات ہے کہ رگیں کٹ جائیں خون بہہ جائے اور ضروری یہ ہے کہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے اور اس پر تکبیر پڑھی جائے اگر تکبیر رہ جائے رگیں کاٹ دیں اور اللہ کا نام نہ لو تو رگیں کاٹ بھی دو خون نکل بھی جائے حلال نہیں ہو گا تو وہ بندہ تو مسئلہ پوچھ کر چلا گیا پھر وہ فرمانے لگے۔

اور انسان کی سانس کی آمد و شد جو ہے اس میں اللہ کا نام نہ رہے تو یہ کیسے حلال ہو گی وہ تو مکلف ہی نہیں ہے

ہمارے اندر فرعونیت آگئی ہے کہ نام لینے سے محروم ہونا تو ایک الگ بات تھی جو لینا چاہیں ہم اسے روکنے کے لئے چل پڑتے ہیں اس حال میں خواہ کوئی مولوی ہونے کا مدعی ہو اپنے آپ کو پیر کہلاتا ہو سیاسی لیڈر ہو یا حکمران اور حاکم ہو اس طرح کے لوگ تباہ ہو جائیں گے وہ کبھی نہیں بچ پائیں گے ایک ہی راستہ ہے سلامتی کا جس طرح طوفان نوح علیہ السلام میں سوائے کشتی نوح علیہ السلام کے کوئی چیز نہیں تھی اس تبدیلی میں سوائے نور ایمان کے قلبی یقین کے یاد الٰہی کے کوئی چیز بچانے والی نہیں ہو گی مرنا تو ہے ہمیں بغیر تبدیلی آئے موت آجائے کسی تبدیلی میں پس کر مرجائیں سڑک کے حادثے میں مرجائیں یا آج کا کوئی ڈاکو ہم سے ہماری زندگی چھین لے موت تو کسی لمحے بھی آسکتی ہے لیکن اگر موت اللہ کے نام کے ساتھ

آئے تو یہ زندگی بھی وہی زندگی ہے جو اس کی عظمت پہ اقرار ہو اس کی یاد کے ساتھ وابستہ ہو۔ تو میرا بھائی!

حالات سے گھبرانے کی بات چھوڑو اب یہ بات پرانی ہو چکی اب آنے والے حالات کا انتظار کرو لیکن اس حال میں کہ ہم اس تبدیلی کا استقبال کر سکیں ہمارے دلوں میں عظمت الٰہی ہو ہمارے کردار پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چھاپ ہو ہمارے سینوں میں نور ایمان ہو اللہ کی یاد ہمارے ہردم میں رچی بسی ہوئی ہو اور اللہ ہمیں توفیق دے اتنی فرصت عطا کرے کہ ہم وہ تبدیلی دیکھ سکیں اسلام کی حکومت اسلام کا نفاذ اسلام کا عدل اور اسلام کا امن دیکھنا نصیب فرمائے اور ان لوگوں میں رکھے جو اس خوش آئندہ تبدیلی میں شامل ہونے والے ہیں ان میں ہمارا شمار نہ کرے جو اس کے مقابلے میں آکر تباہ ہونے والے ہیں

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

عجز اور سستی وغیرہ سے پناہ مانگنے کا بیان

ــــ حدیث انس بن مالک ﷺ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے
اَللّٰھُمَّ ! اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔ (اے اللہ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں عاجزی سے سستی سے بزدلی سے اور ایسے بڑھاپے سے جو ناکارہ کر دے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ طلب کرتا ہوں زندگی کے فتنے سے اور موت کے فتنے سے)۔

اخرجه البخاری فی: کتاب ۸۰ الدعوات: باب ۳۸ التعوذ من فتنة المحیا والممات

قضاء بد اور بدبختی وغیرہ میں مبتلا ہونے سے پناہ مانگنے کا بیان

ــــ حدیث ابوہریرہ ﷺ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بلا کی شدت، بدبختی میں مبتلا ہونے، قضاء بد سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

اخرجه البخاری فی، کتاب ۸۰ الدعوات: باب ۲۸ التعوذ من جهد البلاء